ایمل رضا

"اس کے بال تو بلیک تھے نانو... لیکن اس کی آنکھیں... بلیک نہیں تھیں۔" باسل نے کہا تو نانو نے سر اٹھا کر دبی ہوئی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔

ویلوٹ کے سیاہ کپڑے کے بڑے ٹکڑے کو لکڑی کے فریم میں کس کر وہ اس پر نگوں سے تصویر مکمل کر رہی تھیں۔ ڈیزائن ایک چھوٹے سے گھر کا تھا۔

اور اس گھر کو مکمل کرنے میں انہیں پورا ایک ماہ لگ گیا تھا۔ کل یہ تصویر ہر حال میں کاریگروں کو نمونے کے طور پر دینا تھی' تاکہ وہ اسے دیکھ کر مزید اس جیسے پیس تیار کر سکیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ دکان بند کرکے نانو باسل کے ساتھ گھر نہیں گئیں۔ بلکہ وہیں دکان میں بیٹھ کر ہی اس تصویر کو مکمل کرنے لگی تھیں۔

مکمل ناول

اس دوران باسل انہیں مسلسل زل کے بارے میں یوں بتا تا رہا تھا۔ جیسے فرانس نہیں گیا تھا۔ صرف زل کے گھر ہی گیا تھا۔ نانو سے باسل کا کوئی جذبہ چھپا ہوا نہیں تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کی ساری باتیں سن رہی تھیں۔ اس دوران انہوں نے ایک بھی سوال نہیں پوچھا تھا۔ باسل نے سوال پوچھنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی۔ وہ ہربات تفصیلاً بتا رہا تھا۔

"تو کیسی تھیں اس کی آنکھیں۔۔۔" بالآخر بڑی دیر سماعت کے بعد انہوں نے پہلا سوال کیا۔

"سبز۔۔۔ گہری سبز۔۔۔" نانو کا دلچسپی لینا جیسے اسے اچھا لگا۔ وہ مزید اشتیاق سے بولا۔

"یعنی تمہیں وہ بہت اچھی لگی۔۔۔؟" سرخ رنگے ہوئے تنکے کا سائز لے کر انہوں نے اسے کترے کاٹا۔ یہ تنکا تنکا جوڑ کر شبیہہ ابھارنے کا فن بھی کتنا عجیب تھا ناں۔ جیسے تنکا تنکا جوڑ کر گھونسلا بناتا۔ نانو کا دل بعض اوقات گھبرانے لگتا۔ ساری زندگی انہیں یہ ہی خوف لاحق رہا تھا کہ جوں ہی ان کا گھونسلا مکمل ہوگا۔ کوئی دوسرا اس گھونسلے پر قابض ہو جائے گا۔ یا ان کے بچوں کو ان سے چھین لے گا۔ وہ اپنے اس خوف سے کبھی چھٹکارا حاصل نہیں کر سکی تھیں۔

دوسری قسط

انہیں کہیں سے مکمل گارنٹی مل ہی نہیں سکی تھی۔ نہ دنیا سے اور نہ اپنے دل سے۔ سامنے شیشے کی شیلف میں باسل کے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ اداس ہو گئیں۔

"اچھی ہے...؟ اچھی کا لفظ بہت چھوٹا ہے نانو... وہ تو سنو وائٹ تھی۔ پیاری... مکمل بیوٹی... دلکش... انتہائی خوب صورت۔"

"مجھ سے بھی زیادہ...؟" آخری تنکا لگاتے ہوئے انہوں نے ذو معنی انداز میں پوچھا اور فریم کو سوکھنے کے لیے ٹیبل پر رکھ دیا۔

"آپ...؟؟ آپ تو کچھ بھی نہیں ہیں اس کے آگے نانو... جتنی وہ خوب صورت تھی۔"

"شریر...!" نانو اس کی طرف لپکیں تو وہ جلدی سے پرے ہو گیا۔ دونوں ہنسنے لگے... پھر باسل نے نانو کو جپھی ڈال لی۔

"آپ تو مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں نانو...!" نانو نے پیار سے اس کا گال تھپتھپایا۔ پھر بتیاں بند کر کے دکان سے باہر نکل کر انہوں نے دروازے کو تالا لگایا۔

"تمہیں وہاں کچھ دیر اور ٹھہر جانا چاہیے تھا۔"

"مشکل تھا نانو...! پھر مجھے اس سے محبت ہو جاتی۔" اس نے بلا جھجک کہہ دیا... نانو چابیاں ہینڈ بیگ میں ڈال کر اسے دیکھنے لگیں... ان کی آنکھوں میں کوئی عکس نہیں تھا۔

"چلیے نانو... آج بازار میں گھومتے ہیں۔" اس نے بات بدلی۔

"بازار تو بند ہو گیا ہے۔"

"بند بازار میں ہی گھوم لیتے ہیں..." اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نانو یک ٹک حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ "بارش بھی ہونے والی ہے... چلو گھر چلتے ہیں۔"

"تو پھر کیا ہوا نانو... بارش پھول اور خوشبو بھی بھلا کبھی کچھ کہتے ہیں۔" اس کی باتوں کے بدلتے زاویے اور اس کے لہجے کی خوش کن تبدیلی کو نانو نے محسوس کیا۔

"یہ سردیوں کی بارش ہے باسل... بیمار کر دے گی۔" نانو نے تنبیہہ کی لیکن باسل نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں... ہلکی بوچھاڑ میں وہ شیڈ کے نیچے سے نکل گیا۔ چند دوسرے لوگ بھی ارد گرد کی بند دکانوں کے شیڈوں کے نیچے کھڑے تھے۔ باسل انار کلی کے تاریک بازار کے عین وسط میں چلنے لگا تھا۔

"آجایے نانو... اتنا کیوں ڈر رہی ہیں... اتنی بھی سردی نہیں ہے ابھی۔"

نانو اپنی جگہ سے بھی نہیں ہلی تھیں... بلکہ وہ مسلسل اسے دیکھ رہی تھیں... بنا پلک جھپکائے... سنسان بازار میں وہ اکیلا آگے بڑھ رہا تھا اور بارش کی جو جو بوند اس سے ٹکرا رہی تھی، ٹھٹھرتے جاڑے کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی... نانو دکان کی باہر کی بتی بجھا کر تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس تک پہنچیں۔

"تمہیں محبت ہو چکی ہے باسل...!" قریب پہنچ کر انہوں نے آہستگی سے کہا۔ راز آشکار کر دینے والے انداز میں... باسل نے پلٹ کر انہیں دیکھا۔

"جس رستے پر قدم رکھ کر تم آگے بڑھتے جا رہے ہو، وہاں پیچھے تمہارے قدموں کے نشانوں پر پھول اگ رہے ہیں اور ہواؤں کی ڈوریاں تمہاری انگلیوں سے پیوستہ ہیں... یہ محبت کا موسم آجانے کا سندیسہ ہوتا ہے باسل۔"

✲ ✲ ✲

"ہر آدمی ایک نفسیاتی اکائی (Psychological unit) ہے۔ اسی لیے وہ دوسرے آدمی سے مختلف ہے۔ ہر شخص اپنی سوچ اپنے انداز سے زندگی گزارتا ہے۔ اس کی زندگی کو جاننے کے لیے اس کی انفرادیت کو سمجھنا بھی ضروری ہے مس زمل! نفرت، نخوت، اداسی یا افسردگی بلا سبب نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کے کسی تلخ تجربے کی بنا پر ہوتی ہے۔ ایسا واقعہ جس کا ہمیں شعور نہ ہو علم نہ ہو لیکن جو ہماری زندگی کو متاثر کرے اسے لاشعور کہا جاتا

ہے۔ اور وہ ذہن کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپا ہوتا ہے۔
اس کے اس طرح چھپ جانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ
ہم اسے بھلا دینا چاہتے ہیں۔ اس سے پیچھا چھڑانا
چاہتے ہیں' کیونکہ اس کی یاد ذہن میں کانٹے اگا دیتی ہے
جو ہمیں چبھتے ہیں۔ ہماری پوری کوشش ہوتی ہے
کہ ہم ان واقعات کو بھول جائیں لیکن اس کوشش
سے وہ ختم نہیں ہوتے' وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر
ہمیں پریشان کرتے رہتے ہیں۔"

یشار ماہر ڈاکٹر تھا۔ اس کی تربیت میں نانو کا ہاتھ تھا۔
وہ اتنی جلدی تھک جانے یا ہمت ہار جانے والا نہیں
تھا۔ وہ مستقل مزاجی سے اس کیس پر کام کر رہا تھا۔

"آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں ڈاکٹر یشار؟"

"آپ اپنے ڈیڈ کی صحت چاہتی ہیں... اور نفسیاتی
صحت مندی کے لیے ہمیں مضبوط محرک درکار ہوتا
ہے۔ آپ کو وہ محرک تلاش کرنا ہے۔"

زمل یشار کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔ وہ کچھ بھی
کیسے تلاش کرے۔ اس کے ہاتھ میں جن چابیوں کا
گچھا تھا' ان سے پرانے زمانے کے تالے نہیں کھولے
جا سکتے تھے۔

پورے پینتالیس منٹ اسکائپ پر آن لائن رہنے
کے بعد اس نے خدا حافظ کہہ کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔
ڈاکٹر یشار سے بات چیت کر کے اسے محسوس ہوتا تھا
جیسے وہ ڈیڈ کا نہیں بلکہ خود اپنا علاج کروا رہی ہے۔ اس
کے باوجود علاج میں کوئی مثبت پیش رفت نہیں ہو رہی
تھی۔ بلکہ ڈیڈ کی صحت مزید گرنے لگی تھی۔ اب وہ
اپنے آپ سے بھی باتیں کرنے لگے تھے۔ زمل کے
لیے یہ سب برداشت کرنا اور ڈیڈ کو اس حالت میں
دیکھنا مشکل تر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ڈیڈ کو ان کے حال پر
نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ ابھی وہ اتنی سنگ دل نہیں ہوئی
تھی... ممی کی طرح۔

ممی نے کبھی دانستہ یا نادانستہ — زمل سے اپنے
سابقہ شوہر کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ وہ اشارتاً"
بھی ان کی حالت کے بارے میں جاننے کی کوشش
نہیں کرتی تھیں۔ وہ ان سے ایسے لاتعلق ہو گئی تھیں
جیسے کبھی ان کا کسی زیان عالم نامی شخص سے واسطہ ہی
نہیں رہا تھا۔ زمل کو ان سے اب کوئی امید بھی نہیں
تھی۔ ویسے بھی زمل کے پاس ڈیڈ کے بارے میں
بتانے کے لیے کچھ اچھی باتیں نہیں تھیں۔

وقت فنا پذیر ہے۔ فنا ہوتا چلا گیا... یشار سے
مایوس ہو کر وہ جیسے اب اپنے سارے مہرے چل چکی
تھی۔ جیت کے لیے اب اس کی بساط میں اب کوئی
چال باقی نہیں بچی تھی۔ اس نے ڈیڈ کی بیماری کو لاعلاج
سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

اور ڈیڈ... وہ خود کو بیمار نہیں سمجھتے تھے شاید... اگر
سمجھتے بھی تھے تو تندرست نہیں ہونا چاہتے تھے اور یہ
بات زمل بہت پہلے سے جانتی تھی لیکن اس طرح بیمار
رہنے میں ان کو کون سی راحت مل رہی تھی' یہ بات وہ
کبھی نہیں جان سکی تھی۔

ڈیڈ کی حالت سدیم انکل جیسی ہو چکی تھی۔ اسے
لگا اس کے بچپن کا دور جیسے پھر سے دہرایا جانے لگا
ہے۔ اپنی مخبوط الحواسی کے باوجود ڈیڈ کے چہرے پر
سدیم انکل جیسی طمانیت چھائی رہتی۔ سدیم انکل
کے لیے بھی ملکی اور غیر ملکی علاج بے کار ثابت ہوئے
تھے اور آخر میں وہ بہت اطمینان اور سکون کے ساتھ
اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ تو کیا ڈیڈ بھی...؟
اس سوچ کا پہلا احساس ہی دل دہلا دینے والا تھا۔ وہ
کانپ کر رہ جاتی۔

"آپ کو اپنے گرینڈ فادر اور گرینڈ مدر کی قبروں کو
تلاش کرنا ہو گا۔ خاص طور پر گرینڈ مدر کی۔ اور پھر اپنے
ڈیڈ کو ان کی قبروں پر لے کر جانا ہو گا۔"

یشار نے ایک دن بہت اہم بات کی جانب اس کی
توجہ دلائی تھی۔ بات سیدھی تھی۔ پھر بھی زمل بے
چین ہو گئی۔

"کیا یہ چیز کوئی فائدہ دے گی؟" اس نے بے یقینی
سے پوچھا۔

"یقیناً"... بلکہ سو فی صد... آپ کے ڈیڈ کی یہ
جمود کی کیفیت یقیناً" وہاں جا کر ختم ہو گی۔"

"آپ کے خیال میں کیا ڈیڈ 'نفسیاتی طور پر جمود کا

شکار ہو چکے ہیں؟"
"ایسا ہی سمجھ لیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔
بڑی دیر تک وہ تذبذب کے عالم میں گھری رہی۔

"لیکن کیسے..... میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔"
"پاکستان آکر....."
"میں اپنے گرینڈ فادر اور گرینڈ مدر کی قبروں کے متعلق کچھ نہیں جانتی نہ ہی ڈیڈ نے کبھی بتایا۔"
"یہ تو آپ کو ان سے ہی پوچھنا ہوگا..... لیکن براہ راست نہیں..... ورنہ وہ آپ کو کچھ نہیں بتائیں گے۔"

"وہ ویسے بھی کچھ نہیں بتائیں گے۔" اس نے ناامیدی سے کہا۔
"یہ اتنا مشکل کام تو نہیں۔"
اور اتنا آسان بھی نہیں۔ وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔
"آپ کے گھر میں بہت ساری ایسی دستاویزات ہوں گی۔ جن میں ان سے متعلق معلومات درج ہوں گی۔ ڈیتھ سرٹیفکیٹ' پراپرٹی کے انتقال نامے وغیرہ۔ پاکستان میں ان کے گھر کے بارے میں معلومات..... کچھ رشتے داروں کے ایڈریسز....."
"رشتے دار..... میں تو اپنے کسی رشتے دار کے نام تک سے واقف نہیں ہوں مسٹر یشار!"
"یہ اب آپ کا Hectic (سردرد) ہے مس زل..... میں نے آپ کو حل بتا دیا ہے۔"
اس ساری بات چیت کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ یشار کی بات پر جیسے دنیا کی ساری مثبت گھنٹیاں اس کے کانوں میں گونج اٹھی تھیں..... اور وہ ایک بار پھر سے پر امید ہو گئی تھی۔ ڈیڈ نے تو اسے اسی طرح مایوس کیا تھا جس کی اسے توقع تھی۔ ان کے لب جیسے نہ کھلنے کے لیے سل چکے تھے۔ پھر وہ چوری چوری خود ہی ڈیڈ کی پرانی چیزوں کی تلاشی لیتی رہی..... وہاں سے بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ آیا اور اس بات کی توقع اسے ہرگز نہیں تھی لیکن اس بار وہ بہت جوش میں تھی اور اتنی جلدی ہار ماننے والی بھی نہیں تھی۔
کل ساری رات سوچتے رہنے کے بعد اس نے آج صبح اٹھ کر ممی کو کال کی تھی۔
"ممی کیا آپ یشب..... انکل سے پوچھ کر بتا سکتی ہیں کہ پاکستان میں ڈیڈ کا گھر کس جگہ پر تھا؟"

ساری رات پریشان رہنے' خوف زدہ رہنے اور روتے رہنے کے بعد اس کی آواز نارمل نہیں رہی تھی۔ ممی نے اس کی آواز کی لرزش کو محسوس کیا تھا۔ لیکن انہوں نے کوئی سوال جواب نہ کیا اور آہستگی سے فون ہولڈ پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد اسے فون پر یشب انکل کی آواز سنائی دی۔ وہ اس آواز سے ہرگز ہم کلام نہیں ہونا چاہتی تھی..... لیکن اس نے اس بوجھ کو بھی دل پر سہہ لیا۔
"لکھو..... لاہور..... ماڈل ٹاؤن' بلاک بی..... ہاؤس نمبر....."
بتانے والا روانی میں بتا رہا تھا جیسے کسی ناپسندیدہ کام کا بوجھ اتار رہا ہو اور زل جلدی جلدی نوٹ کر رہی تھی۔ جیسے کوئی بھی لفظ اگر رہ گیا تو اس کے ہاتھوں سے دنیا نکل جائے گی۔

یشار کے موبائل کے لاک کا طریقہ اسے معلوم نہیں تھا۔ اس کے باوجود وہ بارہا قسمت آزمائی کر چکا تھا۔ زل کا کانٹیکٹ نمبر اس موبائل میں تھا۔ جسے اب بابل جلد سے جلد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ یہ سوچے بنا کہ وہ نظریات و خیالات میں اس سے کس قدر مختلف ہے۔ اور اس سے بھی بہت بڑھ کر اس کا فیملی اسٹیٹس۔
وہ یہ تمام باتیں وقتی طور پر نظر انداز کر چکا تھا۔ اسے فی الحال صرف اور صرف زل سے تعلق بنانا تھا۔ خواہ وہ تعلق ایک دوست کا ہی کیوں نہ ہو۔
یشار نے ایک دوبار اسے "تقریباً" پکڑ لیا تھا۔ لیکن وہ سرے سے ہی انجان بن جاتا تھا۔ جیسے اس سے بڑھ کر اس دنیا میں اور کوئی معصوم ہے ہی نہیں..... چند ایک بار وہ یشار کو زل سے بات چیت کرتے بھی دیکھ چکا تھا۔ لیکن وہ اس کی اور اس کے ڈیڈ کی خیریت پوچھنے کے علاوہ اور کوئی سوال نہ کر سکا تھا۔

آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ یشار اپنا لیپ ٹاپ کھلا ہی چھوڑ کر کہیں باہر چلا گیا تھا۔ اور باسل نے فوراً ہی اس نادر موقعے سے فائدہ اٹھا لینا چاہا۔ یشار کا فیس بک اکاؤنٹ اوپن تھا۔ اسے وہاں صرف زمل کو تلاش کرنا تھا۔ اور یہ تلاش جلد ہی ختم ہو گئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور آدھے راستے میں ہی ایک زوردار آواز کے ساتھ رخصت بھی ہو گئی۔ باسل کے اوسان خطا ہو گئے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" یشار پتا نہیں کب اندر آیا تھا اور اب حیرت سے باسل کو دیکھ رہا تھا۔ اپنے "کام" میں مگن باسل کو اس کی آمد کا علم ہی نہ ہو سکا۔

"وہ... وہ میں...." اس سے کوئی جواب نہ دیا گیا۔

"یہ غلط ہے۔"

"میں تو صرف۔"

"تم کسی کا پرسنل اکاؤنٹ ہیک کر رہے تھے؟"

"میں ہیک نہیں کر رہا تھا۔" وہ منمنایا۔

"واقعی؟" یشار غصے میں نہیں تھا۔ اس کا انداز شرمندہ کرنے والا تھا۔

"آئی۔ ایم سوری!" گردن جھکائے وہ اس کی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں زمل تک رسائی چاہیے تھی تو مجھ سے کہہ دیتے۔" باسل کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں۔

"تم مجھ سے چھوٹے ہو.... کیا مجھ سے کچھ چھپا سکتے ہو؟" یشار پوچھ رہا تھا۔ سر جھٹک کر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ اتنی خفت تو اسے تب بھی نہیں اٹھانا پڑی تھی جب اس نے نانو کے مہنگے سلیمانی پتھر کو غلط کاٹ کر خراب کر دیا تھا۔

"ہفتے کے دن تمہیں ایئرپورٹ جانا ہے.... ذہن میں رکھنا۔" یشار نے اونچی آواز سے کہتے ہوئے اسے پھر روک لیا۔

"کون سے شہر جانا ہے؟"

"نہیں کہیں جانا نہیں ہے.... کسی نے آنا ہے"

"کسی ڈاکٹر..."

"نہیں.... زمل نے.... تم اسے ایئرپورٹ سے پک کر کے کسی اچھے سے ہوٹل چھوڑ آنا اس کے لیے یہ جگہ، یہ شہر بالکل نیا ہے۔ اسے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔"

یشار نے تو نارمل انداز میں یہ سب کہا تھا لیکن باسل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

اس کی ہیل کی ٹھک ٹھک سے پورا ہال ابھی تک گونج رہا تھا۔ متوحش نظروں سے انہوں نے اپنے اردگرد دیکھا۔ زمل جا چکی تھی۔ لیکن اس کی پرچھائیں کے بہت سے عکس انہیں جابجا نظر آ رہے تھے۔ اپنے دل کی بڑھتی دھڑکنوں پر قابو پانا ان کے لیے مشکل تر ہو گیا۔

چند دن پہلے ہی رات کے وقت وہ ان کے کمرے میں آئی تھی جب وہ کھلی ساکت آنکھوں سے سامنے دیکھ رہے تھے۔ ان کو اس طرح دیکھ کر زمل جھجک سی گئی۔ تب ہی انہوں نے بھی اسے دیکھا۔ اور آج کسی اور ہی نظر سے دیکھا۔

زمل اب بڑی ہو گئی تھی۔ وہ بالغ تھی۔ لیکن وہ یہاں کی دوسری لڑکیوں کی طرح بے باک کیوں نہیں تھی۔ یہ جھجک تو سراسر مشرقی تھی اور مغرب میں رہتے ہوئے اس نے یہ عادتیں کہاں سے سیکھی تھیں۔

"میں پاکستان جا رہی ہوں۔" ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے انہیں بتایا اور ان کے وجود میں کرنٹ دوڑ گیا۔

"پاکستان!" وہ بڑبڑائے۔ انہیں لگا یہ لفظ جیسے وہ صدیوں بعد سن رہے ہیں۔ کیسی اجنبیت سی تھی اس ایک لفظ میں، ان کا ستا ہوا چہرہ لمحوں میں سنگی ہو گیا۔

"کیوں جا رہی ہو پاکستان؟" زمل پر انہوں نے اپنی اندرونی کیفیت آشکار نہ ہونے دی۔ "کتنے دنوں کے لیے جا رہی ہو؟"

"تقریباً ایک ماہ کے لیے۔"

"ٹھیک ہے، جاؤ۔" ایسے کہا گیا جیسے کہہ رہے ہوں کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ۔

"آپ کو کوئی اعتراض تو...."

"تم آزاد ہو... اپنی ماں کی طرح... جب چاہو‘ مجھے چھوڑ کر جاسکتی ہو۔"

"نہیں ڈیڈ... ! ایسی بات نہ..."

اس نے کہنا چاہا لیکن ہاتھ بڑھا کر انہوں نے سائیڈ لیمپ بند کردیے اور کروٹ بدل لی۔

زمل خاموشی سے ان کے کمزور وجود کو دیکھتی رہی پھران کے پاس سے اٹھ گئی۔

"دروازہ بند کرکے جانا۔" انہوں نے ویسے ہی لیٹے لیٹے کہا۔ زمل نے بمشکل اپنے آنسو ضبط کیے۔

وہ رات عجیب کشمکش کے عالم میں گزری۔ ہر آن وہ خود کو طوفانوں کی زد میں دیکھتی رہی اور ڈرتی رہی۔ اور خوابوں سے بھی زیادہ بھیانک یہ احساس تھا کہ اب وہ ڈر کے کس کے پاس جائے گی۔

باقی کے دن بھی اسی وحشت کے عالم میں گزر گئے۔ زیان عالم نے اس سے کوئی سوال و جواب نہ کیا۔ وہ خاموشی سے اسے پاکستان جانے کی تیاری کرتے دیکھتے رہے۔ پاکستان سے ناتا توڑے انہیں ایک لمبا عرصہ گزر چکا تھا اور اس طویل عرصے میں ان کی بیٹی جوان ہوگئی تھی لیکن اپنے ڈیڈ کی بیماری کے سبب دنیا کی تفریح گاہوں سے لطف اندوز نہیں ہو پا رہی تھی۔

گاڑی میں سامان رکھوا کر وہ انہیں الوداع کہنے آئی تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"میں اس ایک ماہ میں تمہیں بہت یاد کروں گا۔"

ان کی آواز کی لرزش زمل سے چھپی نہ رہ سکی‘ وہ ان کے سینے سے لگ کر رونے لگی۔ وہ خاموش رہے۔ زمل بڑی دیر تک روتی رہی۔

"اس طرح مت روؤ۔ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" بالآخر وہ بولے۔

"میں نہیں جاتی اگر آپ..." اس نے روتے روتے کہا۔ "میں نہیں جاؤں گی... آپ کو چھوڑ کر میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اس طرح نہیں کرتے... تم جاؤ... میری فکر نہ کرو... ڈیوڈ ہے میرے پاس۔" وہ خاموشی سے ان سے الگ ہو کر اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ زمل نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ کلائی میں ایک پرانی زنجیر دو تین بلوں کے ساتھ لٹک رہی تھی اور اس زنجیر کے درمیان میں ایک مکڑی کی شکل والا لاکٹ بھی جھول رہا تھا۔

"یہ پرانے سامان سے ملا ہے۔"

"یہ میرا ہے... تم جانتی ہو؟"

"جی!"

"تم میرے سامان کی تلاشی لیتی رہی ہو ناں؟" زمل نے سر جھکا لیا۔

"ڈاکٹرز کی باتوں پر زیادہ دھیان نہ دیا کرو۔ وہ تو کچھ بھی کہتے رہتے ہیں۔ میری پرانی چیزوں میں میرا ماضی نہیں ہے۔ اور میرے ماضی میں کچھ بھی نہیں ہے۔" انہوں نے اسے بتایا۔ وہ اسی طرح کھڑی رہی۔

"اسے اتارو... تم اس کے ذریعے مجھے اپنے ساتھ لے کر جانا چاہتی ہو... تمہیں مشکل ہوگی۔ تمہارا ذہن مجھ سے ہٹ نہیں سکے گا‘ تم اپنا کام صحیح طرح سے نہیں کرسکو گی۔"

"اسی طرح تو آپ کا کام کرسکوں گی ڈیڈ۔" اس نے دکھ سے سوچا۔

"میں اسے وہاں جاتے ہی اتار دوں گی۔"

"یہ کافی پرانا بھی ہوچکا ہے۔"

"پرانے فیشن ہی تو دوبارہ آرہے ہیں ڈیڈ!" وہ سوچی آنکھوں سے مسکرائی۔ اور خاموشی سے باہر چلی گئی۔ اس کی ہیل کی ٹھک ٹھک سے پورا ہال گونج اٹھا۔

"پرانے فیشن ہی تو دوبارہ آرہے ہیں۔" پانچ گھنٹے گزر جانے کے باوجود اس فقرے کی بازگشت آخر ختم کیوں نہیں ہو رہی تھی۔ متوحش نظروں سے انہوں نے اپنے چاروں طرف دیکھا۔ زمل اس کی پرچھائیاں۔ مکڑی سب ایک دوسرے سے ٹکرانے لگے۔

"اللہ نہ کرے... اللہ نہ کرے۔" اور تڑپتے تڑپتے انہوں نے آج مدتوں بعد اس کی بارگاہ میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ جس کو وہ ایک عرصے سے نظر انداز کیے ہوئے تھے۔

اللہ سے دوبارہ دوستی کرنا' اس قدر مشکل امر ہوگا' انہیں اندازہ نہ تھا۔

☆ ☆ ☆

آشفتہ سر مکڑی چکر کاٹتی اپنے شکار کے گرد تاریں بُن رہی تھی۔ بوڑھے وجود نے سیاہ دیوار پر ابھرتے اس منظر کو دیکھا۔ جال لحہ بہ لحہ تنگ ہوتا شکار کو بے بس کررہا تھا۔ بوڑھے وجود کا دم گھٹنے لگا۔ تارِ عنکبوت اسے اپنے وجود کے گرد لپٹتا محسوس ہورہا تھا۔

تو وہ اس تار سے بھی زیادہ بے وقعت تھی۔ اپنی کم مائیگی کے احساس پر اسے رونا آگیا۔ اور وہ چلا اٹھی۔

"ساگ پیشوا..... سادھ سیوڑا

صغیر ربانی سے پوچھو۔

قدرت اشارہ دے کر پھر انصاف کا خون کیوں کردیتی ہے۔"

سسکیاں بھرتی آواز سن کر فاختہ خوف زدہ ہو کر اڑ گئی۔ تالاب میں جوار بھاٹا پیدا ہوا۔ اور مور نے "می آوں... می آوں" چلاتے ہوئے ماتم شروع کردیا۔

☆ ☆ ☆

دھوپ چمک دار تھی۔ اس کی روشن آنکھوں کی طرح... پردے کھسکا کر اس نے کھڑکی کے پٹ کھولے۔ سرد موسم میں الجھی ہوئی ہوائیں اس کی سانسوں کی ہم نوا ہوگئیں۔

باسل کی کار ہوٹل کے مین گیٹ سے اندر داخل ہورہی تھی۔ اس نے زمل کو کھڑکی میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔ اور اب وہ مسکرا کر اسے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

پاکستان آئے آج اسے پانچواں دن تھا۔ وہ ڈیڈ اور ممی کے ساتھ بہت سے ممالک کی سیر کرچکی تھی۔ برطانیہ' امریکہ' اسپین' اٹلی' یونان وغیرہ کی۔ لیکن تب شعور کی منزلیں اتنی مضبوط نہ تھیں اور کچھ پاکستان میں اس کی آنے والی زندگی کے حالات بھی درج تھے۔ اس لیے یہ دیس اسے سب سے جدا لگا۔ اسے یہاں ماں جیسی اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔

اس لفظ اپنائیت میں بھی بہت سے عوامل کارِ خیر

ثابت ہوئے تھے۔ ہاں.... ایک گائیڈ بھی.... جو اسے اطالوی مجسموں کی طرح نظروں سے کھینچ لینے کی صلاحیت رکھنے والا لگا تھا۔ زمل اسے دیکھ کر کھل اٹھتی تھی۔

"تمہارے چہرے پر یہ جو تازگی ہے نا باسل.... اسے دیکھنے سے فرحت بخش احساس ہوتا ہے۔" وہ اسے بتانے میں جھجکی نہیں تھی۔

"اور اگر یہ ہی بات میں تمہارے لیے کہوں تو؟"

"میں سمجھوں گی تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"مجھے جھوٹ بولنا نہیں آتا.... نانو کہتی ہیں۔"

"تو پھر ایسا مت کہنا....." اور باسل اس کی ایسی باتوں پر واقعی خاموش ہو جاتا تھا۔

اس کی بہت سی مہربانیوں میں زمل کے لیے اس کی یہ مہربانی بھی شامل تھی.... اس کی خاموشی.... ہر ہر مرحلے میں اس نے کسی مسیحا کی طرح زمل کی رہنمائی کی تھی۔ اسے اس انجان جگہ پر کسی طرح کی بھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

لیکن اس سارے نئے سفر میں وہ فی الحال کسی بھی شریک سفر کی شراکت داری کی حامی نہیں تھی.... نجانے کیا کیا دفن تھا۔ کیا کیا کھلنے کے قریب تھا جو خود اس کے لیے بھی خوفناک ثابت ہو سکتا تھا۔ وہ یہاں صرف وہاب عالم (دادا) اور گلناب عالم (دادی) کی قبروں کو تلاش کرنے نہیں آئی تھی۔ بلکہ اپنے ڈیڈ کے گم گشتہ ماہ و سال کا کھوج لگانے بھی آئی تھی اور اس حوالے سے کوئی بھی بات اچانک سامنے آسکتی تھی جو زمل کے لیے حیرت اور باسل کی موجودگی میں شرمندگی کا باعث بن سکتی تھی۔ اس لیے وہ بے حد احتیاط سے کام لے رہی تھی۔

پاکستان آنے کے اگلے دن وہ ماڈل ٹاؤن گئی تھی۔ باسل نے کار باغ کی پارکنگ میں کھڑی کی اور خود ٹھہرا رہا۔ وہ اکیلی ہی یشب انکل کے بتائے پتے تک آئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ گھر ابھی تک ان لوگوں کی ہی ملکیت تھا جن کو ڈیڈ نے بیچا تھا۔ لیکن وہ وہاب عالم یا گلناب عالم کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے تھے۔

اردگرد کے گھروں سے بھی کچھ پتا نہ چل سکا۔ بلکہ الٹا انہوں نے حیرت زدہ ہو کر زمل سے سوال کیا تھا۔

"کیا گلناب عالم اپنے بیٹے کے ساتھ فرانس نہیں چلی گئی تھیں؟"

"نہیں.... بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو سکا تھا۔"

اس سے اگلے دن وہ ماڈل ٹاؤن کے پرانے قبرستان گئی۔ جہاں کے بوڑھے گورکن اور اس کے بیٹے نے اس کی کافی مدد کی تھی۔ پرانی قبروں کے کتبے صاف کر کے انہوں نے.... زمل کو پڑھ کر سنائے تھے۔ لیکن یہ ساری محنت بھی عبث رہی۔ اس کے ہاتھ کوئی نہیں لگ سکا۔ عالم سنز کمپنی کے چوکیدار کے باپ سے اسے صرف ایک دو باتیں پتا چل سکی تھیں۔

"وہاب عالم نوجوانی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ گلناب عالم، جوان بیوہ تھیں اور وہ ایک اچھی عورت نہیں تھیں۔ لوگ ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔"

عمر رسیدہ پرانے چوکیدار نے روانی میں ہی سب بتایا تھا جسے سن کر زمل کے چہرے پر بہت سے رنگ بیک وقت آئے اور گئے۔ اس کے چہرے کے اس اتار چڑھاؤ کو اس بوڑھے نے بھی محسوس کیا۔

"میرا مطلب ہے تب زمانہ تنگ نظر تھا.... بہت سی باتوں کو معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن اب....."

بوڑھے نے بات بدلی اور زمل نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس وقت باسل اس کے ساتھ نہیں کھڑا تھا ورنہ نجانے اسے کتنی خفت سہنا پڑتی۔

پانچ دن کے تھکا دینے والے مرحلوں کے بعد آج اس کا کہیں بھی جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود باسل کی کار کو ہوٹل کے اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ شدت سے چاہنے لگی کہ اس کے ساتھ وہ چلی جائے۔ کہیں بھی۔

"تمہیں انفارم نہیں کیا.... اس کے لیے سوری.... مگر آج کے لیے میں کوئی بھی پروگرام ترتیب نہیں دے سکی....."

دروازہ کھولتے ہی اس نے باسل کو آگاہ کیا۔ اور وہ

دروازے سے ٹیک لگا کر کی چین کو انگلی پر گھماتا اسے دیکھنے لگا۔

"تو پھر آج میری نانو کی شاپ پر چلو گی؟" ہلکا سا مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

☆ ☆ ☆

نانو کی دکان واقعی بہت خوب صورت تھی۔ باسل کی بتائی ہوئی تفصیل سے بھی زیادہ۔

وہ شہر کی سب سے خوب صورت اور دستکاری کی سب سے بڑی دکان تھی چاروں اطراف سے شیشے میں لپٹی اور شیلف پر سجے بے انتہا قیمتی نوادرات میں گھری وہ دکان قبل مسیح کے دور کی یاد دلاتی تھی۔

باسل سارے راستے خاموش نہیں رہا تھا۔ وہاں یہ ہے وہاں وہ ہے 'کس قدر مہنگی اشیا ہیں۔ زمل اپنی زندگی میں اس بازار سے بھی بہت بڑے اور دلکش اور تاریخی بازار دیکھ چکی تھی۔ نانو کی دکان کی طرح کی بھی ہزاروں دکانیں وہ گھوم چکی تھی۔ لیکن اس دکان "نگار خانہ" میں داخل ہوتے ہی اسے ایک عجیب طرح کا احساس ہوا تھا۔

نانو کی محنت اور اپنائیت بھرا خلوص پوری دکان کی ایک ایک چیز سے جھلک رہا تھا۔ انہوں نے زمل کا پرتپاک استقبال کیا اور زمل کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ باسل سامنے ہی کھڑا تھا نانو نے سر کی جنبش سے اسے اس کی پسند کی داد دی 'وہ مسکرانے لگا۔ خود زمل نانو کے بازوؤں کے حصار سے جدا ہوتے ہوئے حیران تھی۔

"یہ شخصیت باسل سے لفظوں میں بیان ہو ہی نہیں سکتی تھی۔" اس نے سوچا۔

دکان پر گاہکوں کا رش بھی تھا۔ وہ زمل سے معذرت کر کے ان کی طرف بھی متوجہ تھیں۔ ایک مثبت مسکراہٹ کے ساتھ۔ زمل دکان میں رکھی چیزیں دیکھتے ہوئے بار بار انہیں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک شفیق شخصیت کی مالک تھیں۔ زمل اپنی پوری زندگی میں ایسی بے لوث' بے غرض شخصیت سے کبھی نہیں ملی تھی۔ باسل اور ریشار کے مخلصانہ رویوں کا سبب اسے اب سمجھ میں آیا تھا۔ ان کی تربیت ہی بہت عظیم ہاتھوں نے کی تھی۔ وہ چہل قدمی کرتے ہوئے دکان میں گھومنے لگی۔

"یہ کیا ہے باسل؟" شیشے کی پانی سے بھری بوتل میں بند چارپائی کو دیکھ کر وہ باسل سے پوچھ رہی تھی۔

"یہ چارپائی ہے۔"

"چارپائی؟" وہ سمجھی نہیں۔

"ہاں۔۔۔ یہاں کا روایتی بیڈ۔"

"مجھے ایسا بیڈ دیکھنے کا اتفاق پہلی بار ہوا ہے۔" وہ ہنسی۔

"یہ دیسی بیڈ ہے۔۔۔ ہاتھوں سے بنا جاتا ہے۔"

"یہ بوتل کے اندر کیسے جاتا ہے؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"یہ ہی تو آرٹ ہے۔" باسل کو خود نہیں پتا تھا کہ یہ چھوٹی سی چارپائی اس چھوٹی سی بوتل کے اندر کیسے جاتی ہے۔

"یہ باہر ہی تیار کی جاتی ہے زمل بیٹی!" نانو نے اس کے پاس آکر کہا تھا۔ "پھر اسے تہ کر کے مختلف اوزاروں کے ذریعے اندر داخل کیا جاتا ہے اور دوبارہ سے کھول لیا جاتا ہے۔۔۔ یہ ایک مشکل آرٹ ہے۔"

"کیا یہ آپ نے بنایا ہے۔۔۔ آنٹی۔"

"تم مجھے نانو کہہ سکتی ہو زمل۔۔۔ باسل کی طرح۔" وہ مسکرائیں۔

"نہیں' یہ میں نے نہیں بنایا۔۔۔ میں اس میں ماہر نہیں ہو سکی۔۔۔ بدقسمتی ہے۔۔۔ بعض چیزوں میں ہمیں ہمیشہ ناکام رہی ہوں۔" نانو کے چہرے پر اداسی جھلکنے لگی۔

"تو پھر مجھے اپنے ہاتھوں کی بنائی چیزیں دکھائیں ناں۔" ان کی اداسی دور کرنے کی غرض سے اس نے فرمائش کی۔

"یہ میں نے بنایا ہے۔" نانو نے تنکا ورک پینٹنگ کے فریم کو پکڑا۔ "یہ پچھلے ہی دنوں مکمل ہوا ہے۔"

فریم کو ہاتھ میں پکڑے وہ بڑے غور سے ایک چھوٹے سے گھر والی تصویر کو دیکھنے لگی۔ اسے یقین

نہیں آ رہا تھا کہ یہ تصویر کسی انسانی ہاتھوں نے ہی مکمل کی ہے۔

"میرے پاس اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔" اس نے اپنی لاچاری ظاہر کردی۔

"تمہارا اتنا کہہ دینا ہی میرے لیے کافی ہے۔" وہ بھی جواباً" مسکرائیں۔

"تم یہاں کس سلسلے میں آئی ہو زمل؟" نانو نے راک سالٹ کا ایک تراشا ہوا پیس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ زمل نے ایک لحہ باسل کو دیکھا پھر نانو کو۔

میں یہاں اپنی این جی او کے ورک کے سلسلے میں آئی ہوں "آنٹی!"

"آنٹی نہیں میری جان!"

"اوہ سوری۔" وہ شرمندہ ہوگئی۔

دوپہر کے قریب گاہکوں کا رش مزید بڑھنے لگا تھا۔ ورنہ باسل کا ارادہ تھا کہ تینوں کہیں باہر جاکر کھانا کھائیں۔ گاہکوں کو دیکھتے ہوئے مجبوراً "اسے کھانے کے پارسل وہیں پر لانے پڑے۔ کھانا لینے جاتے وقت باسل نانو کو آنکھ مارتے ہوئے اور اشارہ کرتے ہوئے کسی بات کی یاددہانی کراگیا تھا۔ جسے سمجھ کر اور یاد کر کے نانو مسکرائی تھیں۔

یہ دو دن پہلے کی بات تھی۔ جب زمل کو پاکستان آئے ابھی صرف تیسرا دن ہی ہوا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے باسل نے نانو کی منت کی۔

"نانو! وہ لڑکی انجان دیس، انجان ملک، انجان سرزمین پر رہ رہی ہے۔ کچھ تو خیال کریں آپ اس کا۔" اور کھانا کھاتے ہوئے یشار اور نانو دونوں کے ہاتھ رک گئے تھے۔

"دیس، ملک، سرزمین تینوں ایک ہی لفظ ہیں باسل... اپنی بات کو ان لفظوں کے سہارے سنجیدہ مت بناؤ۔"

"چلیے ٹھیک ہیں... پر لوگ تو انجان ہیں ناں نانو"

"پھر ہم کیا کرسکتے ہیں اس کے لیے..." وہ اندر ہی اندر مسکرائیں... وہ جانتی تھیں کہ باسل ان سے کیا چاہتا ہے۔

"آپ اسے یہاں ٹھہرالیں ناں... ہمارے گھر... وہ ہم سب کے ساتھ رہ لے گی۔"

"ہم بھی تو اس کے لیے انجان ہی ہیں۔" انہوں نے باسل کو چڑایا پر باسل سنجیدہ ہوگیا۔

"آپ تو محبت سے بے جان چیزوں میں جان ڈال دیتی ہیں نانو... وہ تو پھر ایک جیتی جاگتی لڑکی ہے۔" اور نانو کی آنکھیں چھلک گئیں۔

"مجھے جذباتی مت کیا کرو باسل... تمہیں پتا ہے۔ میں تم دونوں بھائیوں کی بات نہیں ٹال سکتی۔"

"ہاں نانو! یہ ٹھیک کہہ رہا ہے... زمل کو اس گھر میں ہی رکھ لیں... شاید اس طرح یہ پھر کلینک آجائے... جب سے وہ یہاں آئی ہے۔ یہ کلینک سے غائب ہے۔" یشار نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"ٹھیک ہے... جب تم اسے ملوانے لاؤ گے تو میں اسے راضی کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔"

"وہ مان جائے گی۔" باسل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور اب کھانے کے دوران وہ اشارے سے پوچھ رہا تھا کہ نانو نے زمل سے ان کے گھر رہنے کی بات کرلی ہے کہ نہیں...؟ نانو نے نفی میں گردن ہلائی تو باسل کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

کھانا کھا کر زمل پھر سے شیلف میں رکھی اشیاء دیکھنے لگی۔

"یہ ہرن کتنا خوب صورت ہے ناں باسل۔" اس نے باسل کو پکارا جو نانو سے بس جنگ عظیم کرنے ہی والا تھا۔

"ہاں!" سلیمانی کا ہی سے بنا وہ ہرن نفیس اور قیمتی تھا۔

"اسے تم رکھ لو زمل!" نانو نے پیش کش کی۔

"نہیں نانو..."

"میری طرف سے تحفہ سمجھ کر۔" انہوں نے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا رنگ تمہاری آنکھوں سے بھی ملتا ہے۔"

پا گا۔ سا، نی، دا، نی، سا۔ گا۔ سا۔
ہوا کی آغوش میں قید، راگ کلاوتی کھماج تال اٹھا رہا تھا۔ مور، فاختاؤں اور کوئلوں نے دم سادھ لیا۔
"اس بار میں آپ کی مرضی نہیں چلنے دوں گی۔" کمرے میں زلیخابی کی آواز گونجی۔
برگد کی طرح وہ بھی سر جھکائے، بابا، ہمایوں اور زلیخابی کے گھیرے میں بیٹھی تھی۔
"اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لیں آپ۔" زلیخابی خدا یار سے فیصلہ کن انداز میں کہہ رہی تھیں۔
"لیکن... زلیخا..."
"بس، بہت ہو گئی بابا... بہت ساتھ دے لیا آپ نے، ہر اچھی بری بات میں اپنی بیٹی کا۔" ہمایوں بھی تیز لہجے میں بولا تھا۔ وہ خاموش ہو گئے۔ نگار نے لاچاری سے ان کی طرف دیکھا۔ ایک صرف وہ ہی اس کا ساتھ دے سکتے تھے۔
"کوئی وجہ بھی تو ہو انکار کرنے کی... اتنا اچھا رشتہ... لوگ تو ترستے ہیں ایسے رشتوں کے لیے۔" زلیخابی، بابا سے کہتی اسے سنانے لگیں۔
"وہ جواز دے تو رہی ہے۔"
"جواز...؟" ہمایوں نے قہقہہ لگایا۔ یہ کہ اس کی آنکھوں میں انتقام کا کالا موتیا ہے۔" اور ہنستا چلا گیا۔
"دراصل آپ کی بیٹی پاگل ہو گئی ہے بابا... اس سٹھیائے ہوئے پروفیسر نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔" نگار نظریں اٹھا کر ہمایوں کو نہ دیکھ سکی۔
"رہی بات گلناب عالم کی تو ان کا طرز زندگی ان کا مسئلہ ہے... اور رہا زیان... تو چند ایک برائیاں کس لڑکے میں نہیں ہیں آج کل... ماڈل ٹاؤن میں اتنی بڑی کوٹھی ہے ان کی... زیان ان ہی کی کمپنی چلاتا ہے... اور کیا چاہیے اسے... آپ بھی تو اس کے لیے یہ ہی سب کچھ چاہتے تھے نا بابا..."
"ہاں... لیکن..."
"میں اس رشتے سے انکار کسی صورت نہیں کروں گی... سن لیں آپ... اور بتا دیں اپنی بیٹی کو بھی..."

"میں اس تحفے کو جان سے زیادہ عزیز رکھوں گی۔" اس نے کہہ کر پیش کش قبول کر لی۔ نانو نے کاریگر سے اس ہرن کو پیک کروا کر زمل کو تھمایا۔ باسل اس دوران مسلسل نانو کو گھور رہا تھا۔ جسے نانو بڑی فیاضی سے نظر انداز کر رہی تھیں۔
اللہ حافظ نانو... جلد ہی دوبارہ ملاقات ہو گی... ان شاء اللہ۔"
"اللہ حافظ بیٹی۔"
"اللہ حافظ نانو جی..." باسل نے بتیس کے بتیس دانت پیسے تھے۔ نانو مزہ لے رہی تھیں اور اس کے ضبط کی انتہا ہو چکی تھی۔ نانو نے باسل کو مزید ستانا مناسب نہ سمجھا۔
"زمل بیٹی!" اس کے باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے زمل کو پکارا۔
"جی نانو!" وہ رکی۔
"تم جتنے دن بھی یہاں ہو، ہوٹل کے بجائے ہمارے گھر کیوں نہیں رہ لیتیں۔"
"نہیں... نہیں نانو... آپ کا بہت بہت شکریہ... مگر مجھے ہوٹل میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔"
"تکلف مت کرو زمل... تم ہمارے ساتھ رہو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔"
"مجھے آپ کو تکلیف دینا اچھا نہیں لگے گا۔"
"ایسی بات نہ کرو... جیسا میرے لیے باسل ہے... ویسی ہی تم بھی ہو۔" نانو نے کہا تو زمل خاموش ہو گئی۔ نانو کا دو تین بار اس کے نام کے ساتھ باسل کے نام کو بھی نسبت دینا، وہ سمجھ نہیں سکی تھی۔
اس نے پلٹ کر دیکھا۔ باسل کی پشت اس کی طرف تھی۔ مگر خوشی اس کے انگ انگ سے ظاہر تھی۔

☆ ☆ ☆

سا، دھا، نی۔ سا، نی۔ سا۔ گا۔

زلیخا بی اپنا آخری فیصلہ سنا کر باہر چلی گئیں۔ ہمایوں وہیں کھڑے کھڑے پھنکارنے لگا۔ نگار کے انکار نے دونوں کو سیخ پا کیا ہوا تھا۔ بابا اس کی بات سمجھ سکتے تھے اور کسی حد تک اس کی مدد بھی کر سکتے تھے۔ لیکن اب زلیخا بی اور ہمایوں کے رویوں کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا کہ اس معاملے میں بابا اس سے زیادہ مدد نہیں کر سکتے۔

اس سب کے باوجود وہ پست ہمت نہیں ہوئی تھی۔ کوئی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خود کو جانتی تھی۔ اور اس میں اتنی ہمت بھی تھی کہ گلناب عالم کو وہ خود انکار کر سکے۔

"حسن پلیز..... آنٹی کو جلدی بھیجو ہمارے گھر..... ہماری شادی کی بات کرنے۔"

وہ پہلی فرصت میں حسن سے ملی۔ اس پریشانی میں حسن نا صرف اس کا ساتھ دے سکتا تھا بلکہ اسے اس مصیبت سے نکال بھی سکتا تھا۔ اس نے کہا اور حسن نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"مجھے نوکری مل گئی ہے نگار..... ایک بہت بڑی کمپنی میں۔" حسن نے اسے کندھوں سے تھام کر گھماتے ہوئے خوش خبری سنائی۔

"کیا واقعی.....؟" وہ اس سے بھی زیادہ خوش ہو گئی..... سارے دن کے بعد اس نے اب کھل کر سانس لیا تھا۔ کل سے اب تک جو اس پر بیتی تھی اس دورانیے میں یہ واحد خبر اس کے حق میں جا سکتی تھی۔

"کہاں..... کیسے؟" وہ اطمینان سے تفصیل پوچھنے لگی۔

"بہت بڑی کمپنی ہے نگار..... انہوں نے مجھے خود بلایا..... میں نے تو وہاں اپنا C.V بھی نہیں بھیجا تھا۔ لیکن منیجر نے بتایا کہ انہوں نے میرا سی۔ وی کہیں اور سے حاصل کیا ہے..... نگار میں بہت خوش ہوں۔" وہ واقعی خوش تھا۔

"کمپنی اتنی بڑی ہے تو تنخواہ بھی اچھی ہو گی۔" وہ تسلی کر لینا چاہتی تھی۔

"تنخواہ تو میں نے پوچھی ہی نہیں..... یہ ہی کیا کم ہے کہ وہ مجھے امریکہ بھیج رہے ہیں....."

"امریکہ..... لیکن کیوں؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"امریکہ میں بھی کاروبار ہے ان کا..... پورے چار سال کا کنٹریکٹ ہے۔"

"چار سال.....؟" چار سال کا لفظ اس کے منہ سے چار آتش فشاں پھٹنے کی صورت نکلا۔

"جانا کب ہے؟"

"اگلے ہفتے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو حسن..... میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" واقعی یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"میں امریکہ جا رہا ہوں..... چار سال کے لیے..... اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی۔"

"تو کیا اس ایک ہفتے میں سب کچھ ہو سکے گا۔"

"کس نے کہا ہے کرنے کو۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟"

"تم انتظار کر لینا..... چار سال کی تو بات ہے۔"

"گھر پر ایک رشتہ آیا ہوا ہے حسن..... اور امی انہیں انکار نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہم دونوں کے بہتر مستقبل کے لیے ہی جا رہا ہوں میں یار....." حسن نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن حسن.....!" وہ بولتے بولتے رکی۔ ایک خیال چھناکے کی صورت اس کے ذہن کے پردے پر وارد ہوا تھا۔

"اس کمپنی کا نام کیا ہے حسن؟"

"عالم سنز۔" حسن نے بتایا اور نگار کے چہرے کا سارا رنگ نچڑ گیا۔ وہ اس کے سامنے زیان عالم کی کمپنی کا نام لے رہا تھا۔

❋ ❋ ❋

پہلی کشتی کے جلنے کا نظارہ آخری کشتی کے جلنے جیسا تھا۔ اسے لگا واپسی کے سارے راستے اس کے

لیے بند ہو گئے ہیں۔ اور اگر کوئی کشتی باقی بھی بچی ہے تو سمندر سوکھ گئے ہیں۔ وہ پیدل اتنی مسافت کیسے طے کرے گی۔

حسن امریکہ چلا گیا تھا۔ حالانکہ نگار نے اسے ایک ایک بات بتادی تھی۔ یونیورسٹی میں ہوئے ہنگامے کی ایک ایک خبر.... جسے سن کر حسن نے کسی طرح کا کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ پھر اگلے چھ دن عاصمہ کے گھر کے بہت سے چکر لگانے کے باوجود بھی وہ نگار کو نہیں ملا۔ اس لیے اس کے امریکہ چلے جانے کی خبر اس کے لیے زیادہ حیرت انگیز ثابت نہیں ہوئی تھی۔

اس کی محبت منہ دکھائی کے اس سکے سے مشابہہ تھی جسے لڑکی ساری زندگی سینے سے لگائے رکھتی ہے۔ اور جب اسے استعمال کرنے کا وقت آتا ہے تو پتا چلتا ہے کہ وہ سکہ تو اصل میں کھوٹا تھا۔

وہ حسن کے لیے دل میں کوئی شکوہ نہیں رکھتی تھی۔ اسے اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کا پورا حق حاصل تھا۔ جو اس نے استعمال کیا۔ بچپن سے ہی اس نے زندگی بہت کسمپرسی کی حالت میں گزاری تھی۔ ایسے میں وہ زیان کی طرف سے دی جانے والی پیش کش سے فائدہ کیوں نہ اٹھاتا۔ لیکن نگار اس بات سے گھائل ہوتی رہی کہ اس نے اس پیش کش کے بدلے اس کی سچی محبت کو کیوں قربان کر دیا۔

گلناب عالم دوبار آچکی تھیں۔ اور دونوں بار زلیخابی نے انہیں مختلف انداز سے ٹالا تھا۔ گھر کے موجودہ ماحول کے باعث زلیخابی انہیں ہاں نہیں کہہ پارہی تھیں اور انکار وہ کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ گلناب عالم کی سمجھ سے بالا تر تھا کہ آخر انہیں واضح جواب کیوں نہیں دیا جارہا۔ دونوں بار ان کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد بھرپور ہنگامہ ہوا تھا۔ ہمایوں نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"میں آپ کو بتارہا ہوں بابا.... اگر آپ نے اس رشتے سے انکار کیا تو آپ اپنی بیٹی کے ساتھ الگ کمرے میں رہیں گے.... اور میں اور اماں الگ کمرے میں۔"

بابا نگار کی مرضی کے آگے بے بس تھے۔ وہ خود کتنی بار نگار کو سمجھا چکے تھے کہ انکار کی جو وجوہات وہ بتارہی ہے' وہ کچھ ایسی بھی معقول نہیں اور نہ زلیخابی کی طرح وہ خود بھی اس رشتے سے انکار نہیں کرنا چاہتے لیکن نگار کی ضد کی وجہ ان کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

آج یونیورسٹی آتے وقت نگار نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زیان عالم سے ملے گی۔

"آصفہ مجھے زیان سے ملنا ہے۔"

"وہ اب یونیورسٹی نہیں آتا.... اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمہیں اس کے آفس لے کر جاسکتی ہوں۔" آصفہ نے منہ موڑ کر پیش کش کی۔

"ٹھیک ہے.... میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔" تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے کہا۔

آمنہ اسے زیان کے آفس لے آئی۔ جس وقت وہ غصے میں بھری اندر داخل ہوئی' وہاں پہلے سے دو تین افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ زیان ان سے کچھ ڈسکس کر رہا تھا۔ نگار کو اس طرح اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ سے بعد میں بات ہو گی۔" اس نے کہا اور باقی سب اٹھ کر آفس سے نکل گئے۔

"یہ کیا پاگل پن ہے زیان؟" سائنس بلاک کے باہر رونما ہونے والے واقعے کے بعد وہ اسے آج دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر گرم چائے سے جلنے کے نشان مندمل ہونے کے بجائے مزید گہرے ہو گئے تھے۔ اور نگار کو اس چہرے سے نفرت محسوس ہوئی تھی۔

"لوگ اس پاگل پن کو محبت کہتے ہیں نگار!" وہ اس کے احترام میں اٹھ کھڑا ہوا۔ کرسی کو تھوڑا کر اسے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ نگار کو اس کے اس رویے اور بات پر بیک وقت ہنسی اور غصہ آیا تھا۔

"تمہارے لیے کچھ آرڈر کروں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ نگار اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"میں تمہارے رویے کو سمجھ نہیں پارہی زیان۔"

"تم محبت کو سمجھ نہیں پارہیں نگار؟" الٹا وہ اس

سے پوچھنے لگا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے۔" قہقہہ لگانے والے انداز میں وہ بولی۔

"اپنی محبت کا مظاہرہ تم سائنس بلاک کے باہر کر چکے ہو۔" اس نے طنزاً" کہا۔

"وہ ایک غلطی تھی.... خدا کا شکر کہ اس کو پروفیسر صغیر ربانی نے سرزد ہونے سے بچالیا۔ میں اس حرکت کے لیے گلٹی ہوں.... اور تم سے ایکسکیوز بھی کرتا ہوں' دراصل.... اسی دن مجھے اندازہ ہوا کہ میں.... میں تمہیں چاہنے لگا ہوں۔

"کیونکہ تم ہمیشہ غصے میں رہتی ہو نگار.... اس لیے تمہارے ذہن سے وہ پہلا دن نکلا ہی نہیں.... میرے معافی مانگنے کے باوجود بھی.... یہ تمام واقعات صرف تمہاری وجہ...."

"تم اس رشتے سے خود ہی پیچھے ہٹ جاؤ زیان۔"

"اب.... یہ ناممکن ہے۔"

"میری فیملی مجھ پر دباؤ ڈال رہی ہے' میں یہاں تم سے ریکویسٹ کرنے آئی ہوں۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

"مجھے یہ رشتہ منظور نہیں.... یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آرہی زیان؟" وہ تقریباً" چلائی تھی۔

"مجھے اپنی سی کوشش تو کرلینے دو' تمہیں منانے کی۔"

"تمہارا خیال ہے میں مان جاؤں گی۔" جواباً" زیان نے سر کو مثبت انداز میں خم دیا تو نگار نے ایک ہنکارا بھرا۔

"حسن کو تم نے چالاکی سے امریکہ بھجوادیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اب تمہارے ساتھ...."

"غلط مت سوچو نگار.... وہ ہماری پرانی ملازمہ کا بیٹا تھا.... وہ بہت بار اپنے بیٹے کے بارے میں مجھ سے ذکر کرچکی تھی...." نگار کو اس کے جھوٹ پر غصہ آیا۔

"تم اتنا منفی کیوں سوچ رہی ہو۔ ہمیشہ کی طرح.... تمہارے اندر مصباح کی سوچ سرائیت کر گئی ہے.... شدت آمیز۔"

"اس سے تمہارا کوئی مطلب نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میری ممی جب آئیں گی تو تم خود انہیں انکار کردینا.... پھر وہ دوبارہ تمہارے گھر نہیں آئیں گی.... میں وعدہ کرتا ہوں.... اب خوش...."

وہ پیار سے پوچھنے لگا۔ نگار واپسی میں سارے راستے حالات واقعات کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن ناکام رہی۔ گھر میں کون تھا جو گلناب عالم کو انکار کرنا چاہتا تھا؟

زلیخا بی اور ہمایوں نے رات گئے تک پھر روز کی طرح ہنگامہ کیے رکھا۔ جس کی وہ اب تک عادی نہیں ہوسکی تھی۔ بابا بھی ان کے آگے ہمت ہارنے لگے تھے.... اور نگار ہمت چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھی۔

"جیسا تم سوچ رہے ہو.... ویسا میں ہرگز نہیں ہونے دوں گی زیان عالم!" اس نے ایک بار پھر سے اپنے عزائم مضبوط کیے۔

"بابا۔" اس نے پلنگ پر لیٹے بابا کو پکارا۔ آفس سے واپسی پر ہی اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ بابا کو ہر بات بتادے گی۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے بابا کو سب کچھ بتادیا۔ شروع سے لے کر آخر تک۔ ہال کے جلسے' نوٹس بورڈ پر چسپاں تصویریں' کینٹین کے ہنگامے' سائنس بلاک کے باہر ہوئی اس سے بدتمیزی کی کوشش اور.... اور حسن کے بارے بھی۔

وہ سر جھکائے بولتی رہی اور روتی رہی۔ سب سنتے سنتے پہلے تو بابا کی آنکھیں بے تاثر رہیں پھر ان میں جلال سا ابھرنے لگا۔

"یہ سب کچھ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" وہ گرجے.... نگار جواباً" خاموش رہی۔

"تم فکر نہ کرو۔ گلناب عالم کی ہمت نہیں ہوگی کہ وہ دوبارہ ہمارے گھر میں قدم بھی رکھے۔"

بابا اپنے غصے کو اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر دبا رہے تھے.... نگار ایک طرح سے مطمئن ہوگئی۔ یہ اس کا اچھا فیصلہ تھا جو اس کے حق میں گیا تھا۔

بابا نے اگلے دن گلناب عالم کو خود انکار کردیا۔ زلیخابی

اور ہمایوں کو کچھ بھی بتائے بغیر اور ان کی ذرہ برابر بھی پرواہ کیے بغیر۔۔۔۔

"یہ رشتہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ مہربانی فرما کر آپ دوبارہ یہاں تشریف مت لایئے گا۔" انہوں نے نرم لہجے میں کہا اور گلناب عالم کا چہرہ فق ہو گیا۔ حیرت اور درشتگی ان کی آنکھوں سے جھلکی تھی۔

رات میں نگار نے زلیخا بی اور ہمایوں کی تیکھی نظروں کو بڑی بے نیازی سے نظر انداز کر دیا۔ بابا ہی تھے جو اس کی طرف کے جواب بھی دے رہے تھے۔ وہ رات اس نے بہت سکون سے گزاری۔

☼ ☼ ☼

چنگیزی ڈرتا ہوا اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ چنگیزی نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کر دی۔

زیان سینٹر ٹیبل پر پڑے آرائشی کرسٹل گلوب کو ہاتھ سے گھما رہا تھا۔

"اندر آجا چنگیزی!" زیان نے گردن موڑے بغیر کہا۔ چنگیزی آگے بڑھ آیا۔

"مجھ سے اتنا ڈرتا کیوں ہے چنگیزی؟" زیان نے پوچھا۔ "میں تو تم سے چھوٹا بھی ہوں۔" چنگیزی کچھ نہ بول سکا۔

"میں اتنا برا ہوں چنگیزی کہ سب مجھ سے ڈرتے ہیں۔ کیا میں محبت کے قابل نہیں ہوں؟"

"آپ کے لیے کچھ لاؤں مالک؟"

"اس نے کہا وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی۔۔۔ میں چاہتا تھا کہ وہ میری محبت میں مبتلا ہو۔"

"بیگم صاحبہ آپ کے لیے فکر مند ہیں۔۔۔ آپ اسے بھول جائیں مالک!" چنگیزی نے کہا۔ زیان کی آنکھوں کے رنگ بدلے۔

"وہ چہرہ تو اب مجھے سوتے جاگتے میں پریشان کرنے لگا ہے۔ وہ میرے وہموں میں ہے۔ میرے گمانوں میں۔ میری بیداری میں، میرے خوابوں میں اسے کیسے بھول جاؤں؟"

"کیا وہ اتنی خوب صورت ہے؟"

"خوب صورت؟" اس نے جھٹکا دے کر کرسٹل گلوب کو گھمایا۔ گلوب بڑی دیر تک گھومتا رہا۔

"ہاں۔۔۔ وہ بہت خوب صورت ہے۔۔۔ اتنی کہ اس کی خوب صورتی نے مجھے حیران کر دیا۔ اور تمہیں پتا ہے کہ زیان عالم کو حیران کرنا آسان نہیں۔۔۔ وہ اتنی خوب صورت ہے کہ اب میں اس کی خوب صورتی کو اپنے دونوں ہاتھوں میں محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"لیکن وہاں سے انکار ہو گیا ہے۔۔۔ بیگم صاحبہ غصے میں ہیں۔"

"میں منالوں گا۔"

"بیگم صاحبہ کو؟"

"نہیں اسے۔"

"آپ کو اتنی شدید محبت کیسے ہو گئی مالک؟" وہ حیرانی سے پوچھنے لگا۔ "محبت نہیں، جنون چنگیزی۔۔۔ وہ ہے ہی ایسی کہ اس سے صرف محبت ہی کی جا سکتی ہے۔" اس نے محبت کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"لڑکی اگر نگار ہو تو ہو۔۔۔ ورنہ نہ ہو۔" اس نے جھٹکا دے کر پھر گلوب گھمایا۔

خاموشی میں دو مختلف کانچ کے ٹکڑوں کی آپس میں رگڑ کی آواز گونجتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"حاجرہ خالہ، گھر کی چابیاں دے دیں۔" یونیورسٹی سے وہ گھر واپس آئی تو اس نے گھر کے دروازے پر تالا لگا دیکھا۔ زلیخا بی بازار وغیرہ جاتی تھیں تو چابیاں حاجرہ خالہ کو دے جاتی تھیں۔ اس لیے آج بھی گھر پہ تالا دیکھ کر وہ سیدھا حاجرہ خالہ کے گھر چلی آئی۔

"کچھ بتا کر گئی ہیں کہ کب تک آئیں گی؟" اس نے پوچھا۔ حاجرہ خالہ نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا۔ نہ ہی وہ اندر چابیاں لینے گئیں۔

"کیا بات ہے حاجرہ خالہ؟ ان کے چہرے پر آئی دہشت کو اس نے محسوس کیا۔

"تمہارے بابا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے نگار۔۔۔ وہ اسپتال میں ہیں۔" حاجرہ خالہ نے ایک ہی جملے میں بڑے آرام سے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔۔۔

☼ ☼ ☼

خدا یار کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ وہ ایمرجنسی میں تھے۔

خون کافی بہہ چکا تھا۔ انہیں ہوش نہیں آرہا تھا اس لیے ڈاکٹر انہیں کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ جس وقت وہ بھاگتی ہوئی اسپتال میں داخل ہوئی، زلیخابی اس وقت بینچ پر بیٹھی تسبیح ہاتھ میں لیے، آنسو بہا رہی تھیں۔ اس کے حواس منجمد ہونے لگے۔

ہمایوں ادھر سے ادھر آنے جانے میں ہی ہلکان ہو رہا تھا۔ شام کے وقت جب اس نے بابا کی حالت دیکھی تو اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ بہت سے بھیانک خدشوں نے اسے آگھیرا تھا۔ مضبوط اعصاب رکھنے کے باوجود وہ ٹوٹ گئی اور بے تحاشا رونے لگی۔

زلیخابی نے اسے سنبھالا اور دلاسا دیا۔ رات میں ڈاکٹرز نے بھی کسی طور امید دی۔ جسے سن کر وہ تھوڑی بہتر حالت میں آئی۔ تب ہی اس نے ایک شناسا چہرے کو بھی وہاں پر دیکھا۔ وہ چہرہ زیان عالم کا تھا، جو ہمایوں کے ساتھ ساتھ مختلف ڈاکٹرز سے مل رہا تھا۔ بابا کے کیس کو لے کر ان سے بات چیت کر رہا تھا۔ نگار کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

"یہ۔۔۔ یہ یہاں۔۔۔؟" وہ حیرت زدہ، زلیخابی سے پوچھنے لگی۔

"بہت بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا تمہارے بابا کا۔۔۔ زیان بھی وہیں موجود تھا۔۔۔ اللہ کا کرم ہی سمجھ لو اسے تم۔۔۔ وہ ہی تمہارے بابا کو اسپتال لایا ہے۔" زلیخابی نے بتایا۔ وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھی۔

"اگر آنے میں ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو۔۔۔ تو پتا نہیں کیا ہو جاتا۔" زلیخابی رونے لگیں۔ نگار میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ان کے آنسو پونچھ سکتی۔ اس نئے انکشاف نے اس کے ذہن کو تہہ و بالا کر دیا تھا۔

چند دن بعد بابا کو ایمرجنسی سے وارڈ میں شفٹ کر دیا گیا۔ زیان اس دوران وقتاً فوقتاً وہاں آتا رہا تھا۔ نگار کی اور اس کی صرف نظریں ہی چار ہوتی تھیں۔ نہ نگار نے اس سے کوئی بات کی نہ زیان نے اس سے۔۔۔ تاہم زلیخابی اور ہمایوں زیان کے سامنے اپنے سر نہیں اٹھا پا رہے تھے۔ دوائیوں کے بلز اور ڈاکٹرز کی بھاری فیسیں وہ خود ہی ادا کر رہا تھا۔ ہمایوں کے بار بار کہنے کے باوجود بھی اس نے بابا کو پرائیویٹ اسپتال سے سرکاری اسپتال منتقل نہیں ہونے دیا تھا۔

پندرہ روز بعد بابا کو پلستر چڑھی ٹانگ سمیت اسپتال سے گھر منتقل کر دیا گیا۔ زیان تب بھی وہیں موجود تھا۔

"ہمایوں! تم بابا کو دوبارہ یہیں لانا۔۔۔ پلیز۔۔۔ چارجز وغیرہ کی فکر مت کرنا۔"

زیان نے ہمایوں سے کہا۔ اور ہمایوں جیسے مزید شرمندہ ہو گیا۔ نگار سب دیکھ رہی تھی۔۔۔ اور سچ جھوٹ میں تمیز کرنے سے قاصر تھی۔

سب بابا کو لے کر گھر آگئے اور گھر کا ماحول نگار کے لیے وحشت زدہ ہو گیا۔ ہمایوں نے اسے بلانا چھوڑ دیا تھا۔ زلیخابی انتہائی ضرورت کے وقت اس سے مخاطب ہوتی تھیں۔۔۔ ان دنوں اس کا دل بری طرح گھبرانے لگا۔ یونیورسٹی میں الیکشن مہم کے آخری دن چل رہے تھے۔ اور وہ اپنی ساری توجہ چاہ کر بھی وہاں مرکوز نہیں کر پا رہی تھی۔

"کیا بات ہے نگار۔۔۔ مجھے تم ڈسٹرب لگ رہی ہو۔" زارا نے ایک دن اس سے پوچھ ہی لیا۔

"نہیں۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" اس نے جھوٹ بولا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ زیان کے رشتے کی بات یونیورسٹی میں پھیلے۔۔۔ بابا کے گھر آنے کے تین دن بعد گلناب عالم بھی آئی تھیں۔۔۔ خلاف توقع۔۔۔ بہت سارے پھل اور امپورٹڈ ٹن پیک اشیاء لے کر۔

"میں آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی ہوں بھائی صاحب۔۔۔ امید ہے آپ کو برا نہیں لگا ہو گا۔" ان کے نرم لہجے میں طنز نہیں تھا پھر بھی بابا جیسے ان کے

سامنے جھکتے ہی چلے گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟" انہوں نے پوچھا تو بابا نے سر کے اشارے سے جواب دیا۔ وہ ابھی بول نہیں پا رہے تھے۔ نگار کی طرح زلیخابی اور ہمایوں بھی ان کی دوبارہ آمد سے مضطرب تھے۔

"زیان باہر کھڑا ہے بھائی صاحب... آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہے... آپ اجازت دیں تو..."

"جی... جی... کیوں نہیں... میں اسے اندر لاتا ہوں..." بابا کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ہمایوں اٹھا اور زیان کو اندر لے آیا۔

کمرے میں چند ثانیے خاموشی رہی پھر زیان گویا ہوا۔

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ... آپ سب کے سامنے... نگار سے معافی مانگ سکوں۔"

نگار نے نظریں اٹھا کر زیان کی طرف دیکھا۔ جو سر جھکائے شرمسار سا بیٹھا تھا۔

"یونیورسٹی میں مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئیں... جو ہرگز نہیں ہونی چاہیے تھیں۔ لیکن آپ اسے میرا بچپنا یا جذباتی پن کہہ سکتے ہیں۔ میں اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں اور نگار سے معافی چاہتا ہوں۔" زیان کہہ کر خاموش ہو گیا۔

نگار سمیت کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بات کرے۔ زیان اٹھ کر بابا کے پاس گیا۔

"بابا! کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے... اپنا بیٹا سمجھ کر...؟" وہ ان سے پوچھنے لگا۔ بابا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... انہوں نے نگار کو دیکھا۔ جس کی اپنی آنکھوں میں نمی تھی۔

رات کو زلیخابی اس کے کمرے میں آئیں۔

"اتنا مت سوچو نگار...! بدگمانی ختم کرو... اس نے سب کے سامنے معافی مانگی ہے تم سے... ایسے رشتے بار بار نہیں ملتے... یہ تو تمہاری قسمت ہے... تمہارے بابا اور میری دعاؤں کا نتیجہ ہے... کتنے احسان ہیں اس کے ہم پر... بیماری میں جس طرح تمہارے بابا کی دیکھ بھال ہوئی ہے... ہم میں کہاں تھا اتنا دم خم کہ اتنی رقم خرچ کرتے... لیکن خدا کے لیے تم اپنی زندگی سے مت کھیلو نگار... قدرت نے اچھی زندگی گزارنے کا جو موقع تمہیں دیا ہے تم تو اسے حاصل کرو..."

زلیخابی رونے لگیں... وہ ان کی باتیں سنتی گھٹنوں پر اپنا چہرہ رکھے ساکت بیٹھی تھی۔

"تمہارے بابا اب اتنا حوصلہ نہیں رکھتے کہ انہیں انکار کریں... ان کا مزید امتحان نہ لو... یہ گلناب عالم کا ظرف ہے جو وہ بار بار اس در پر چلی آتی ہیں جہاں سے وہ دھتکاری جا چکی ہیں... تم دیکھ چکی ہو انہیں... کیا وہ ایسی عورت ہیں جو اپنی بے عزتی کروانے دوبارہ چلی آئیں... اپنے بیٹے کی پسند کے آگے مجبور ہیں وہ انہیں مزید ذلیل مت کرو۔" سر پر پیار سے ہاتھ پھیر کے وہ اسے سمجھانے لگیں۔

"سب کے سامنے معاف کیا ہے تو دل سے بھی کرو... زیان بہت اچھا لڑکا..."

"مجھے یہ رشتہ منظور ہے امی...! آپ گلناب عالم کو ہاں کر دیں..." اس نے کہا اور اپنا منہ گھٹنوں میں دے لیا۔

☆ ☆ ☆

"پتھر پہاڑ سے نیچے گر جائے تو وہ پتھر ہی ہے۔ پہاڑ کا حصہ نہیں۔" پروفیسر صغیر ربانی نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس سے کہا۔ وہ خاموشی سے ان کی صورت دیکھنے لگی۔

"تم دہرے رویے پال رہی ہو... اوپر سے ظاہر کر رہی ہو کہ تم مضبوط ہو... لیکن اندر سے تم اس پتھر کی طرح اپنا مقام کھو چکی ہو۔ حسن کی بے وفائی نے تمہیں بے وقعتی کے احساس سے روشناس کرایا ہے۔" نگار کی آنکھوں میں ایک آنسو ابھر آیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ میں زیادہ عرصہ اس فریبی احساس میں نہیں رہی۔"

"اس خوشی سے بڑھ کر وہ دکھ ہے کہ فریب حقیقت ہو جاتا۔" وہ رکے' چائے کا گھونٹ بھرا۔ پھر بولے۔

"یہ بات قابل اطمینان ہے کہ تم نے جلد ہی شادی

کا فیصلہ کرلیا ہے۔۔۔ شادی اچھی چیز ہے زندگی میں تبدیلی لاتی ہے۔"
"پھر آپ نے شادی کیوں نہیں کی سر؟" دکھ میں وہ بمشکل مسکرائی۔
"میں خود کو جان گیا تھا نگار!" مجھے ہمیشہ ایسا لگتا رہا کہ میں اس نازک صنف کو ٹھیس پہنچادوں گا۔۔۔ انسان پیالے میں پڑا پانی ہی تو ہے۔ کبھی نہ کبھی کسی ناگہانی وقت چھلک جاتا ہے۔ دائرے سے بھی نکل جاتا ہے اور حد سے بھی۔۔۔ انسان کی جو حد مقرر ہے' وہ اس حد کو پھلانگنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ میں اس بے تابی سے ڈرتا ہوں۔ مجھے خوف رہا کہ میں حد سے نکل جاؤں گا اور بہت سوں کو لے ڈوبوں گا۔ مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ کسی دوسرے کی زندگی خراب کرتا۔"
"اس چیز کا کیسے پتا چلتا ہے سر۔۔۔ کہ ہم یا دوسرا۔۔۔ شادی کے بعد زندگی خراب نہیں کرے گا۔" نگار نے پوچھا اور پروفیسر صغیر ربانی چائے کا کپ لبوں سے لگاتے لگاتے رکے۔
"نگار۔۔۔! بہتر ہے کہ تم اس لڑکے سے ایک بار مل لو۔۔۔ کیا تم اسے جانتی ہو؟"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے سر۔۔۔ میں تو آپ سے صرف یہ پوچھنے آئی تھی کہ جسے انسان ناپسند کرتا ہے اس کے ساتھ پھر پسندیدہ زندگی کیسے گزاری جاسکتی ہے۔"
"کیا وہ لڑکا تمہیں پسند نہیں ہے؟ کیا تم اس شادی سے خوش نہیں ہو؟"
"مجھے بہت سوں کی خوشیوں کے لیے اپنی خوشی نظر انداز کرنی پڑی سر!"
"وہ لڑکا کون ہے نگار؟"
"ہمارے والدین ہمیں پیار دیتے ہیں۔۔۔ لیکن اندر دل کے تہہ خانے میں وہ کابوسی جال کی چرخی بھی لگائے رکھتے ہیں۔۔۔ وقت آنے پر وہ جال ہم پر ڈال دیتے ہیں۔ اور ہم ان کے آگے بے بس ہوجاتے ہیں۔"
"نگار۔۔۔ وہ لڑکا کون ہے؟"
"بابا کا احسانات تلے دب کر دم گھٹنے لگا تھا۔۔۔ اماں چاہتی تھیں کہ میں بہتر زندگی گزاروں۔۔۔ ہمایوں میرے لیے فکر مند تھا۔۔۔ سب ٹھیک تھے۔ کوئی غلط نہیں تھا۔۔۔ شاید میں ہی زیادہ حساس ہونے لگی کہ پیار تو خراج مانگتا ہی ہے۔ پر شفقت میں سودے بازی کیوں آگئی ہے۔"
"نگار۔۔۔ کیا وہ لڑکا زیان ہے؟" انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ نگار بولتے بولتے خاموش ہوگئی۔
"بتاؤ نگار۔۔۔ کیا وہ زیان ہی ہے؟"
"میری مرضی پوچھ کر بھی اپنی مرضی مسلط کردی گئی۔ پھر چاہے وہ زیان ہوتا یا کوئی اور۔۔۔ کیا فرق پڑتا ہے سر۔۔۔"

✵ ✵ ✵

شادی کی تاریخ ایک ہفتے بعد کی رکھی گئی تھی۔ بابا کی "ہاں" نے گلناب عالم کو خوشی سے نہال کردیا تھا۔ ایک بہت بڑی رقم انہوں نے بابا کو دینی چاہی تھی۔
"یہ تحفہ میں اپنی طرف سے دے رہی ہوں۔۔۔ پلیز انکار مت کیجیے گا۔" لیکن بابا نے وہ پیسے نہیں لیے تھے۔ نہ ہی ہمایوں اس بات کے حق میں تھا۔ ایک ہفتہ زلیخا بی اسے لیے بازاروں کے چکر لگاتی رہیں اور وہ بت بنی ان کے ساتھ ساتھ چلتی پھرتی رہی تھی۔
زارا مہندی والی رات کو آئی۔ جب وہ اپنے ہاتھوں پر لگی مہندی کے رنگ کو دیکھ رہی تھی۔ یہ مہندی اسے عاصمہ نے لگائی تھی۔ نگار کو اس سے کوئی گلہ نہیں تھا۔ عاصمہ شرمندہ تھی۔ اس کے بھائی نے نگار کے ساتھ اچھا نہیں کیا تھا لیکن نگار نے اپنا دل اس کی طرف سے صاف کرلیا تھا۔
"جس کو جو بہتر لگا' اس نے وہ ہی کیا۔۔۔" اس نے یہ کہہ کر اس بات کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیا تھا۔
"بھئی' فلموں میں دیکھا تھا۔۔۔ پہلے لڑائی' بعد میں شادی۔۔۔ حقیقت میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔۔۔" زارا

نے شوخی سے کہا۔ وہ اس شادی کو لے کر خوش تھی۔

"یونیورسٹی کی بدمزگی کو نئے گھر مت لے کر جانا نگار.... " اس نے بھی اسے سمجھایا اور ایسی باتوں کو وہ خود بھی اب تھوڑا تھوڑا سمجھنے لگی تھی۔

"کل جلدی آجانا زارا.....! میں الیکشن کے نتائج کی منتظر رہوں گی۔" نگار نے جاتے وقت زارا کو تاکید کی۔ لیکن پھر بھی وہ بارات والے دن کافی دیر سے آئی۔ جب اس کی رخصتی کا وقت بالکل قریب تھا۔

"اتنی دیر سے آئی ہو زارا....! جلدی بتاؤ کون جیتا؟" اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"ہماری پارٹی جیت گئی نگار..... مصباح جیت گیا۔" زارا نے بتایا۔

"کیا.... سچ کہہ رہی ہوں نا؟" اس کا چہرہ اس کے لباس کی طرح دمکنے لگا۔

زارا بت بنی کھڑی رہی۔ اس کے چہرے پر خوشی کا کوئی رنگ نہیں تھا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے زارا.... کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔ مصباح کی جیت...."

"کل ظہر کے بعد مصباح کا جنازہ ہے نگار.... آج شام اس کی کار پر کسی نے فائرنگ کردی ہے۔" زارا روتے ہوئے اس کے اوپر گری تھی۔

✲ ✲ ✲

"بس کرو نگار بیٹی.... " زلیخا بی نے اسے خود سے جدا کرتے ہوئے کہا۔ وہ ان کے سینے سے .... لگی روئے چلی جارہی تھی۔ بابا بھی فکرمندی سے اسے دیکھنے لگے۔

"چپ ہوجاؤ نگار.... لوگ کچھ اور مطلب نکال لیتے ہیں۔" زلیخا بی نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب لاکر کہا۔ ہمایوں قہربار نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے وہ یہ بات بہت اچھی طرح جانتا ہو کہ ہاں کردینے کے باوجود بھی نگار اس شادی کے لیے دل سے رضامند نہیں ہے۔

عروسی کمرے میں پہنچ کر بھی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اپنے چہرے پر جھوٹی ہی سہی، مسکراہٹ کیسے سجائے۔ کیسی ناگہانی خبر اسے عین اس کی شادی والے دن ملی تھی۔ کاش زارا اس خبر کو وقتی طور پر دبالینے کی صلاحیت اور حوصلہ رکھتی۔

زیان کمرے کا دروازہ کھول کر آہستہ سے کھنکھارا اور اس کے قریب آیا۔ نگار کے دل کی دھڑکنیں بڑھنے لگیں۔ پھر وہ بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔ کئی لمحے خاموشی میں گزر گئے۔

"مجھے اندازہ ہے کہ شاید ابھی بھی تمہیں میری محبت کا یقین نہیں آیا ہے۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔ پھر اس نے بڑھ کر نگار کا ہاتھ تھام لیا۔ نگار جیسے کہیں اور دیکھتے ہوئے اس کی صورت دیکھنے لگی۔

"میں اس وقت تک تمہارا انتظار کروں گا جب تک تم خود میرا ہاتھ نہ تھام لو۔" اس نے نگار کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"مصباح کا انتقال ہوگیا ہے.... تم اس کی خاص سپورٹر تھیں۔ اگر تم کل وہاں جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باتھ روم میں چلا گیا۔ واپسی پر اس نے نائٹ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بتی بند کرکے وہ صوفے پر لیٹ گیا۔

نگار نے اپنے سینے سے کوئی وزنی بوجھ سرکتا ہوا محسوس کیا تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ ہوٹل سے نانو کے گھر منتقل ہوگئی تھی۔

نانو نے دوسری بار اسے فون پر پھر دعوت دی تھی۔ اور وہ یہ بات بہت اچھی طرح سے جانتی تھی کہ وہ فون یقیناً "باسل نے ہی کروایا تھا۔

"میں تمہارے لیے کمرہ بھی سیٹ کرچکی ہوں زمل!"

نانو نے بتایا اور اس بار وہ رسماً" بھی انکار نہ کرسکی۔ وہ انکار کرنا چاہتی بھی نہیں تھی۔ سامان پیک کرکے وہ حبیب اللہ روڈ پر واقع اس ایک منزلہ پرانی طرز کے

بنے ہوئے مکان میں آ گئی۔

وہ مکان قدرے بڑا، کافی پرانا لیکن ہر طرح کی جدید آسائشوں سے پُر تھا۔ سرخ اینٹوں، اونچی چھتوں، موٹی دیواروں، روشن دانوں، بے تحاشا کھڑکیوں اور دروازوں سے بھرا ہوا وہ مکان زمل کو بہت بھایا تھا۔ جس کے فرش پر سفید چپس اور سنگ مرمر کے مختلف نمونوں کے ڈیزائن ہموار کیے گئے تھے۔ چاروں طرف سے باغ اور درختوں میں وہاں کیلے اور پپیتے کے درخت تھے۔ لمبی لمبی بغیر کانٹ چھانٹ کی گھاس جو کسی طرح کی دیکھ بھال کے بغیر بھی بہت خوب صورت لگتی تھی۔ اور جس پر جابجا نانو کے "نوادرات" دھوپ میں سوکھنے کے لیے ہمہ وقت بکھرے رہتے تھے۔ سالوں کی تاریخ سمٹ کر جیسے اس ایک خطے میں آ گئی تھی۔

جو کمرہ اسے دیا گیا، وہ اس گھر کے باقی تمام کمروں سے زیادہ بڑا تھا۔ وہاں ہوٹل جیسا سکون نہیں تھا۔ مگر ہوٹل کے کمرے سے بڑھ کر راحت ضرور تھی۔ وہ خوش تھی۔ ایک عرصہ کے بعد وہ اس طرح کے ماحول میں آئی تھی۔ جہاں کسی کے رویے میں منافقت نہیں تھی۔ کوئی چہرہ سازشی نہیں تھا۔ اسے ان دنوں خود پر رشک آ رہا تھا۔

نانو ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہی تھیں۔ وہ ہر روز کھانا بنانے پر پہلے اس سے اس کی پسند پوچھا کرتیں۔ سوائے چند ایک ڈشز کے، وہ پاکستانی کھانوں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی تھی۔ وہ بار بار ان ہی کے نام لے لیتی۔

"لگتا ہے تمہیں صرف بریانی وغیرہ کا ہی پتا ہے زمل!" نانو سمجھ گئی تھیں۔

"جی نانو۔۔۔!" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ پھر ایک دن جب اس نے نانو کے آگے کوفتے کا نام لیا تو نانو حیران رہ گئیں۔

"تم جانتی ہو اس ڈش کو؟"

"جی نانو۔۔۔!"

سدیم انکل کو یہ ڈش بہت پسند تھی۔ اس نے صرف ایک دو بار اسے کھایا تھا۔ اسے نام یاد آ گیا تو اس نے نانو سے فرمائش کر دی۔ جسے نانو نے فوراً" ہی پورا کر دیا۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ نانو کے دو ظاہری ہاتھوں کے علاوہ تین چار اور خفیہ ہاتھ بھی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر وہ اتنے سارے کام اتنی آسانی سے اور جلدی سے کیسے کر لیتی ہیں۔ شاید وہ ایسا اس لیے بھی سوچ رہی تھی کہ ان کے گھر میڈز کی ایک پوری ٹیم تھی اور زمل نے خود کبھی ڈیڈ کے کاموں کے علاوہ زیادہ کام نہیں کیے تھے۔

ڈیڈ کے حوالے سے یشار سے بھی وقتاً" فوقتاً" بات چیت جاری تھی۔ زمل کی مایوسی میں یشار کی باتیں کسی ٹانک کا کام کرتیں۔ وہ پھر سے تازہ دم ہو جاتی۔

"فکر مت کرو۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عجز بھری آنکھوں اور ساکن چہرے سے اس کا یہ کہہ دینا ہی نجانے کیسے زمل کو پُرسکون کر دیتا وہ واقعی بے فکر ہو جاتی۔

باسل شرارتی آنکھوں والا لڑکا تھا۔ کھانے کی میز پر یا گھر کے کسی بھی حصے میں اس کی نظریں زمل کا طواف کرتی رہتیں۔ اور نانو کی ان دونوں کا۔ اس کی محبت ایسی خاموش ایسی مقدس تھی کہ زمل کے دل کی خالی لوح پر اس کی ذات کے قصیدے رقم ہوتے چلے گئے۔ یہ احساس نیا تھا لڑکپن سے بالغ ہو جانے جیسا۔

جس مقصد کے لیے وہ یہاں آئی تھی۔ اسے اس میں زیادہ کامیابی نہیں ملی تھی۔ یشب انکل کا ایک بھائی لاہور میں ہی آباد تھا جس سے وہ ملنا نہیں چاہتی تھی۔ سدیم انکل کی دو بہنیں لاہور سے باہر رہتی تھیں۔ اس کے پاس ان دونوں کے پتے موجود تھے۔ فرانس سے ان کے بینک اکاؤنٹس میں بہت لمبے عرصے تک پیسے ٹرانسفر ہوتے رہے تھے۔ وہ ان کے ناموں سے واقف تھی اور بہت جلد ان سے ملاقات کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ ڈیڈ کے کسی پرانے چنگیزی نامی ملازم کا اسے علم ہوا تو وہ پہلی فرصت میں اس کے گھر پہنچی۔ چنگیزی کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بیٹے سے ملاقات میں اسے

کسی نئی بات کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔

"زیان عالم غصے کے تیز تھے.... کیا وہ اب بھی ویسے ہی ہیں۔"

"تقریباً" ہاں' اس نے مختصر جواب دیا۔ وہ ان کی زندگی کے موجودہ حالات تفصیلاً نہیں بتا سکتی تھی۔

"ان کی شادی کے دنوں کی گہما گہمی مجھے آج بھی یاد ہے.... میں اس وقت دس سال کا تھا۔" آدمی نے اسے بتایا۔ وہ ڈیڈ کی پاکستان میں شادی کے بارے جانتی تھی اور یہ بھی کہ وہ شادی ناکام رہی تھی۔

"لیکن وہ شادی زیادہ عرصہ نہ چل سکی۔ تب سنا تھا کہ وہ لڑکی کسی اور کو پسند کرتی تھی اس لیے اس نے زیان عالم سے طلاق لے لی۔" آدمی اسے مزید بتا رہا تھا جبکہ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔

"اور بدقسمتی سے ان کی دوسری شادی بھی نہ چل سکی۔ ان کی دوسری بیوی بھی کسی اور کو پسند کرنے لگیں۔ اور انہوں نے ان سے طلاق لے لی۔" اس نے افسردگی سے سوچا۔ کتنے دکھ تھے اس کے ڈیڈ کی زندگی میں۔ کسی ایک طرف سے بھی انہیں خوشی نہیں مل سکی تھی۔

"تو گلناب عالم کی وفات کب ہوئی؟"

"اس بارے میں مجھے کچھ زیادہ علم نہیں ہے۔ بس اتنا ہی کہ ایک دن زیان صاحب نے گھربار سب بیچ دیا۔ تمام ملازموں کو بھی فارغ کر دیا اور وہ لوگ فرانس شفٹ ہو گئے۔"

اور ایک کنجی کو یہیں چھوڑ گئے۔ اور اب وہ اس کنجی کو کیسے ڈھونڈے گی؟ یشار نے کس قدر مشکل کام اس کے ذمے لگایا تھا۔

گزرتے دنوں میں اسے اندازہ ہوا کہ اس کے پاکستان کے ایک ماہ کے ٹور میں سے پچیس دن گزر چکے ہیں۔ وہ یہاں کیا کرنے آئی تھی' وہ بھولنے لگی تھی۔ اسے ابھی مزید یہاں رہنا تھا۔ وہ بس یہ بات جانتی تھی۔

ڈیڈ کو فون کر کے اس نے اپنے یہاں قیام کے طویل ہو جانے کے بارے میں انہیں آگاہ کر دیا۔ ڈیڈ کا رویہ حسب توقع تھا۔ بات سن کر انہوں نے فون بند کر دیا اور شاید پہلی بار زمل خود غرض ہوئی۔ اس نے ڈیڈ کے رویے کی پرواہ نہیں کی تھی۔

اس طرح کے دن اسے آنے والی زندگی میں پھر کبھی نہیں ملنے والے تھے۔ وہ یہ دن پورے دل سے جی رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"نانو! آپ نے اسے کم از کم تین ماہ کے بعد کھولنا ہے...." وہ نانو سے کہہ رہی تھی۔ جب باسل اندر داخل ہوا۔

نانو اور وہ.... دونوں صحن میں تخت پر بیٹھی تھیں۔ زمل کمچھاں (cimchi) بنا رہی تھی۔ یہ ڈش اس نے اپنی ایک انڈونیشین میڈ سے سیکھی تھی اور ہر بار اسے بنانے میں اسے بہت مزہ آیا تھا۔ آج وہ یہ ڈش نانو کو سکھا رہی تھی۔ جسے نانو بڑے اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔ سیکھنے کے عمل سے انہیں ایک جذباتی لگاؤ سا ہو گیا تھا۔

دونوں ہاتھ سرخ مرچوں اور دوسرے مسالوں سے لتھڑے وہ بند گوبھی کے بڑے بڑے پتوں پر مسالا لگا چکنے کے بعد اب انہیں جار کے اندر بند کر رہی تھی۔ باسل کے آنے کی دونوں کو ہی خبر نہیں ہوئی۔

"السلام علیکم نانو!"

نانو چونکیں۔ "تم آج جلدی واپس نہیں آ گئے؟" انہوں نے باسل سے پوچھا جو بدستور زمل کو دیکھ رہا تھا۔

"آج کلینک میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔" زمل نے اس بات پر اس کی طرف دیکھا اور دوبارہ گردن موڑ لی۔

"تم بیٹھو' میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں...." نانو کہہ کر اٹھنے لگیں۔

"یہ بیام تو میں لایا تھا نا آپ کے لیے نانو.... فرانس سے...."

"ہاں.... یہ وہ ہی ہیں.... زمل نے کہا کوئی اچھے سے

چار دیں تو میں نے یہ دے دیے.... اس سے اچھے تو میری پوری دکان میں بھی نہیں ہیں۔" وہ مسکرائیں اور کچن میں چلی گئیں۔ زمل خاموشی سے کام کرنے لگی۔ لیکن اب پہلی والی پھرتی نہیں تھی۔

"وہی ڈش.... جو تم مجھے اور ریشار کو بھی اپنے گھر کھلا چکی ہو؟"

"ہاں...." وہ گردن جھکا کے گویا ہوئی۔ اس کی طرف دیکھتے ہی اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ اور فی الحال وہ بے سکون نہیں ہونا چاہتی تھی۔

باسل بھی تخت پر بیٹھ گیا۔ زمل کے بالوں کی ایک لٹ چار کو چھو رہی تھی۔ باسل نے اسے اپنی انگلی سے پرے کر دیا۔

"اب نانو کو کھلا کر ان کو بھی اپنا دیوانہ بنانا چاہتی ہو؟"

لفظ "بھی" پر زور تھا۔ زمل کو جیسے صرف ایک یہی لفظ سمجھ میں آیا۔ اس نے باسل کی آنکھوں میں جھانکا۔ وہ اس کے بال پرے کر کے ہاتھ پیچھے کرنا بھول گیا تھا۔

"اوہ نانو....!" اس نے اس کے پیچھے دیکھ کر کہا اور باسل چونک کر اٹھا۔ زمل کی ہنسی چھوٹ گئی۔ پیچھے کوئی نہیں تھا۔ وہ کافی دیر تک ہنستی رہی۔ باسل کو لگا یہ ہنسی آج اس کی جان لے لے گی۔

"نانو سے ڈرتے ہو؟" وہ مذاق اڑانے والے انداز سے بولی۔

"یہ ڈر نہیں احترام ہے۔"

"مجھے تو ڈر ہی لگا...." اس نے کندھے اچکائے اور پھر سے ہنسنے لگی۔ نانو جوس لے آئیں تو وہ گلاس پکڑ کر خاموشی سے پینے لگا۔

"لگتا ہے، میری غیر موجودگی میں تم زمل کو خوب ہنساتے رہے ہو۔" نانو نے کہا تو زمل کی ہنسی کو بریک لگ گئی۔ نانو باری باری دونوں کو دیکھنے لگیں۔ انجان نظروں سے۔ حالانکہ وہ کچن کی کھڑکی سے سب دیکھ چکی تھیں۔

"نانو! اس کے ساتھ چاول بوائل کیجیے۔" دونوں چار بھر کر وہ ان پر ڈھکن رکھ کر بند کرنے لگی۔

"جب کھائیں گی تو مجھے یاد ہی کریں گی.... تین ماہ بعد میں تو ہوں گی نہیں آپ کے پاس...."

اس نے روانی سے فقرہ پورا کیا اور بولتے وقت جیسے اس پر خود یہ اسرار کھلا کہ وہ تین ماہ بعد یہاں نہیں ہو گی۔ نانو نے ایک دم سے اس پر حاوی ہو جانے والی اس کی اداسی کو نوٹ کیا۔

"اور اگر تم پھر بھی یہاں ہوئیں تو؟" باسل براہ راست اس سے پوچھنے لگا۔ زمل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اتفاق سے بھئی...." وہ ہنسا۔ اس نے پچھلی بات کا جیسے بدلہ لیا تھا۔ مجبوراً" اسے بھی ہنسنا پڑا.... یہ لفظ وہ نہ ہی کہتا اور.... اور کچھ اور ہی کہہ دیتا۔ وہ سوچنے لگی۔

"تو اچھا ہے نا...." اس کے بجائے نانو نے جواب دیا۔ وہ چار اٹھا کر اندر جانے لگیں تو۔ زمل بھی فوراً" ان کے پیچھے لپکی۔ ہاتھ دھونے کا کہہ کر باسل وہیں کھڑے کھڑے چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ فضا میں تیز مسالے کی خوشبو تھی اور زمل کے ہاتھوں سے مس ہو کر نکلتی اس خوشبو میں جکڑ لینے کی صلاحیت تھی۔

باسل نے سیل فون نکال کر دکان کے کاریگر کا نمبر ملایا۔

"تیار ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"جی چھوٹے صاحب!" کاریگر ملازم نے جواب دیا۔

"خوب صورت سی پیکنگ میں پیک کر دو پھر اسے...." اس نے ہدایت دے کر فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

پیانو کی مدھم آواز پورے ہال میں گونج رہی تھی۔ پیانو جیسے مدھم سروں میں کوئی گیت بھی گنگنا رہا تھا۔ جس کے زیر اثر ہر چیز نے جیسے خاموشی کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔

وہ شہر کا مصروف اور ایک مہنگا ترین ہوٹل تھا جہاں وہ اسے لے کر آیا تھا۔

زمل نے مینو کارڈ دیکھا اور آرڈر کرنے لگی۔
"سر آپ؟" زمل کے آرڈر کو لکھ کر کے ویٹر نے باسل کی طرف رخ کیا۔ تو وہ زمل کو دیکھنے سے چونکا۔
"جو کچھ میم نے منگوایا ہے۔ وہی کچھ میرے لیے بھی...." وہ چاہتا تھا کہ ویٹر جلد سے جلد وہاں سے چلا جائے۔ اس نے اس بات کی بھی پرواہ نہیں کی کہ زمل نے نہ جانے کس طرح کی ڈش منگوائی ہوگی۔ اور جسے وہ کھا بھی سکے گا کہ نہیں۔ زمل ارد گرد کے ماحول سے خاصی مرعوب نظر آرہی تھی۔
"اس فیاضی کی وجہ جان سکتی ہوں.... مسٹر باسل؟" ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا گیا۔
"کچھ خاص نہیں.... بس خاص دنوں کو خاص اہتمام سے منانا چاہیے۔" وہ کرسی پر ڈھیلا ہو کر بیٹھ گیا۔
"خاص دن...." وہ ناسمجھی سے بولی۔
"آج میری سالگرہ تو نہیں.... تو پھر تمہاری؟" اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو باسل نے نفی میں گردن ہلادی۔
"یشار بھائی کی؟"
"نہیں...."
"اگر نانو کی ہے تو پھر انہیں بھی ساتھ لانا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔ باسل نے سائیڈ میں رکھا پارسل زمل کی طرف بڑھا دیا۔
"یہ کیا ہے؟"
"تمہارے لیے ہے بھئی.... کھولو اسے...."
"تم پہلے بھی مجھے ایک پارسل دے چکے ہو.... جو میرے لیے زیادہ فائدہ مند نہیں تھا۔" وہ ساتھ ساتھ پارسل کا کور بھی ہٹا رہی تھی۔
"لیکن یہ ہوگا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔
پیکٹ کھلا تو اندر سے پانی سے بھری ایک شیشے کی بوتل نکلی جس کے اندر نفاست سے بنی ہوئی لکڑی کی کشتی تھی۔
"اوہ گاڈ!" زمل کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"یہ تو بہت خوب صورت ہے باسل!" وہ خوش ہوتے ہوئے بولی۔
"یہ میں نے خاص طور پر تمہارے لیے تیار کروائی ہے۔"
"یہ حیران کن ہے۔"
"اسے تھوڑا غور سے دیکھو زمل۔" باسل نے خالی پلیٹ میں چمچہ گھماتے ہوئے کہا۔
"مطلب؟" وہ ناسمجھی سے باسل کو دیکھ کر دوبارہ غور سے بوتل کو دیکھنے لگی۔ وہ کشتی بوتل کے اندر انچ انچ تیر رہی تھی۔ بہت سے لمحے اسی طرح بیت گئے۔
"کچھ ملا؟" وہ بھنویں جوڑ کے پوچھنے لگا۔
کشتی کے بادبان میں سنہری دھاگے سے ول یو میری می (مجھ سے شادی کروگی؟) لکھا ہوا تھا۔ زمل کا دل وسیع و عریض سمندر میں لہراتے بادبان کی طرح ہی پھڑپھڑایا۔ ایک تنگ خول اس نے اپنی دھڑکنوں پر پڑتے ہوئے محسوس کیا۔
"زمل....؟" اس نے پھر سوال کیا۔
"ہاں.... مل گیا...." اس نے بوتل واپس ٹیبل پر رکھ دی۔ باسل خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔
"تو پھر....؟"
"تو پھر کیا....؟"
"کوئی جواب نہیں دوگی؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔
"اتنی جلدی....؟"
"ہاں.... اتنی ہی جلدی...."
"سوچنے کے لیے وقت نہیں دوگے؟"
"بالکل نہیں.... ابھی...." اس نے ضد کی۔
"زبردستی جواب چاہتے ہو۔"
"زبردستی ہی سمجھ لو۔"
"ممی میری زندگی سے لاتعلق ہیں اور ڈیڈ اللہ کے بعد میرے لیے سب سے اہم ہیں باسل۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔
لمحے بھر میں وہ واپس فرانس والی زمل بن گئی تھی۔ شہزادے کے آنسو کی منتظر.... سالوں سے سوئی ہوئی سنو وائٹ....

"ٹھیک ہے... پر جلدی... اور مجھے جواب ہاں میں چاہیے۔" اس نے پیار بھری دھونس جمائی تو زمل زبردستی مسکرائی۔

گھر آکر وہ ساری رات سو نہیں سکی تھی۔ وہ بوتل، اس کے اندر کی تحریر، نام ڈیڈ کی کمی کا احساس... اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے ساری رات کس چیز نے بے چین رکھا ہے۔

✡ ✡ ✡

دو دن بعد اس نے ممی کو کال کی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس بات کو بتانے کے لیے اسے ممی کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا اور فون کر کے جیسے وہ خود ہی پچھتائی۔

"تم Independent (آزاد) ہو زمل... اپنی زندگی کے فیصلے خود کر سکتی ہو۔" ممی نے کہا۔ "تمہیں مکمل اختیار ہے۔"

"تو کیا آپ...؟"

"ہاں... میں ضرور آؤں گی تقریب میں... کب تک ارادہ ہے تم دونوں کا شادی کا؟"

اس نے فون بند کر دیا۔ ممی سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھیں۔ وہ خود بھی پاکستانی نژاد تھیں کیا انہیں یہاں کی روایتوں اور اقدار کا علم نہیں تھا؟ چاروناچار اسے ڈیڈ کو فون کرنا پڑا۔ اور ڈیڈ کا رویہ خلاف توقع نہیں تھا۔

"کیا تم وہاں یہ کام کرنے گئی تھیں... یہ تھا تمہارا این جی او ورک؟" وہ طنز سے بولے۔

اسے عجیب نہیں لگا۔ ڈیڈ سے اسی بات کی امید تھی۔ وہ قدامت پسند نہیں تھے۔ زمل اچھی طرح جانتی تھی۔ اس کی ایسی بات پر انہیں زیادہ حیران نہیں ہونا چاہیے تھا، لیکن انہیں اپنا غصہ کسی نہ کسی طرح تو نکالنا ہی ہوتا تھا۔

"بولو... جواب دو... تمہیں بھی اپنی ماں کی طرح خوب دھوکا دینا آتا ہے۔ وہ بھی..."

"میں اسے پسند کرتی ہوں۔" اس نے انہیں بیچ میں ہی ٹوکا۔ وہ بھی خاموش ہو گئے۔

"واپس آجاؤ۔ پھر بات کرتے ہیں۔"

"بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں... میں فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"پھر مجھے فون کیوں کیا ہے؟"

"اطلاع دینے کے لیے..."

"دے دی...؟"

"فون بند مت کیجئے گا ڈیڈی!" وہ روہانسی آواز میں چلائی۔ زیان عالم خاموش ہو گئے۔ ہمیشہ کی طرح ان کے غصے کو زمل کے آنسو ہی تو در کار تھے۔

"ٹھیک ہے... اگر وہ فرانس سیٹل ہونے پر راضی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں... ورنہ تمہاری مرضی۔"

"میں اس سے پوچھ لوں گی۔"

"تم واپس کب آرہی ہو۔"

"بہت جلد..." اس نے دھیرے سے کہا۔ جیسے اسے خود پتا نہ ہو کہ اس کا واپس جانے کا ارادہ آخر کب تک ہے۔

✡ ✡ ✡

صنوبر اور دیودار کے درختوں سے ڈھکے پہاڑ اور ان میں گھرا وہ ریسٹ ہاؤس جنت کے کسی ٹکڑے سے کم نہیں تھا۔ ہوا میں تازگی تھی اور خوشبو، ساتھ قریب ہی کہیں گرتے جھرنے کا شور بھی۔ وہ باہر ٹیرس پر نکل آئی۔ زیان نیچے کھڑا تھا۔ ابھی وہ اوپر نہیں آیا تھا۔ لمبے سفر نے شاید اس پر تھکن کے اثرات نہیں ڈالے تھے۔ نگار اسے دیکھنے لگی۔

بلیک جینز پر سفید ٹی شرٹ اس پر بلیک جیکٹ۔ بلاشبہ وہ اس سارے ماحول سے بڑھ کر خوب صورت تھا۔ وہ ملازم کو کچھ ہدایت دے رہا تھا۔ الفاظ نگار کے کانوں تک نہیں پہنچ رہے تھے۔ وہ ان الفاظ پر دھیان دینا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے زارا کی مہندی کی رات کہی ہوئی بات یاد آئی۔

"یونیورسٹی کی ساری بدمزگی کو نئے گھر مت لے کر

جاناںنگار!"

ایسی باتوں کی تھوڑی تھوڑی قائل ہوتی وہ اب مکمل قائل ہو چکی تھی۔ گاڑی چلاتے ہوئے زیان نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور وہ ہاتھ کتنی ہی دیر تک اس کے ہاتھ میں رہا تھا۔ دل تک جانے والا سارا خون نگار کے ہاتھ میں سمٹ آیا تھا۔

"ایک دل تمہارے ہاتھ میں دھڑک رہا ہے نگار! معلوم کرو یہ تمہارا ہے یا میرا؟" اس نے پوچھا۔

نگار نے اپنا ہونٹ دانت تلے دبا لیا اور بدستور کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ اس لمحے زیان کو دیکھنا کسی معرکے سے کم نہیں تھا۔ ٹیرس پر کھڑے ہو کر اتنی دور سے اسے دیکھنا بھی معرکہ ہی تھا۔

زیان نے سر اوپر کر کے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔ نگار نے یک لخت نگاہوں کا رخ بدلا، لیکن مسکراہٹ کا رخ نہ بدلا جا سکا۔ دور پہاڑوں سے صدا بلند ہوئی اور نگار نے یہ جاننے کے لیے کہ ایسی صدا کا صدا کار کون ہو سکتا ہے، سر اٹھا کر دیکھنا چاہا۔ صدا کوک رہی تھی۔ مسکراہٹ نگار کے چہرے سے نچڑ گئی۔ سوکھی گھاس کی طرح وہ لو میں جلنے لگی۔

ملازم سے باتیں کرتے زیان نے اسے پھر ترچھی نظروں سے دیکھا تو وہ پھر سے اپنی مسکراہٹ کو کھلکھلاہٹ میں بدلنے سے روک نہ سکی۔

اب زیان کو اسے دیکھنے کے بہانے چاہیے تھے اور اسے مسکرانے کے۔۔۔ زندگی میں اس سے زیادہ کیا چاہا جا سکتا ہے۔۔۔؟

سوٹ کیس کھول کر اس نے رات کے لیے سرخ سوٹ منتخب کیا۔ شاور لے کر، بالوں کو سکھا کر میک اپ شروع کیا۔ زیان اس دوران اندر آیا۔ اس نے آئینے میں اس کی نگاہوں کو خود پر مرکوز پایا اور اس کے گال سرخی سے دمک اٹھے۔ زیان کی آنکھوں میں شوخی اور دلچسپی تھی، وہ شرما سی گئی۔ زیان کمرے سے باہر چلا گیا۔

جب وہ کھلے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کر رہی تھی تب پھر سے پہاڑوں سے صدا بلند ہوئی۔ وہ حیران تھی۔ کوئی کتنا مستقل مزاج ہے، جو صدا دیے جا رہا ہے۔ وہ بھی ایسی صدائیں جن کی ہیبت پہاڑوں سے بھی بڑھ کر ہے۔ ایسی پکار جو الفاظ سے تو مبرا تھی، لیکن پُرسوز تھی۔

زیان کمرے میں واپس نہیں آیا تھا۔ اسے بھوک لگنے لگی۔ دراصل وہ زیان سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس کے ساتھ باہر باغ میں ٹہلنا چاہتی تھی۔ جھرنے تک جانا چاہتی تھی اور پہاڑوں کی بلندی کو اس کے ساتھ سر اٹھا کر دیکھنا چاہتی تھی۔

جس وقت وہ ریسٹ ہاؤس سے باہر نکلی، ریسٹ ہاؤس کا ملازم جس سے زیان باتیں کر رہا تھا۔ لالٹین ہاتھ میں لیے تیز تیز قدم اٹھاتا ریسٹ ہاؤس سے باہر جاتا ہوا نظر آیا۔

"پہاڑوں سے ایسی صدائیں کیا ہمیشہ ہی گونجتی رہتی ہیں؟" نگار نے مسکرا کر ملازم سے پوچھا۔ ملازم نے اچنبھے سے نگار کو دیکھا۔

"جو لوگ پہاڑوں میں نہیں رہتے انہیں ایسا کیوں لگتا ہے کہ ان کے استقبال میں پہاڑ ان ہی کے ناموں کی صدائیں بلند کریں گے۔" نگار نے ایسے بے ساختہ جواب پر قہقہہ لگایا۔

"میرے پروفیسر کہتے ہیں کہ پہاڑ کان رکھتے ہیں اور زبان بھی۔ اور کچھ ایسے راز بھی جو ان پر پہلے سے ہی آشکار ہو چکے ہوتے ہیں۔"

"پہاڑ بے بسی بھی رکھتے ہیں۔۔۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا۔" نگار ایسے گہرے جواب سے لاجواب ہو گئی۔

"پہاڑ بے بس کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو دھڑام سے کسی پر بھی گر سکتا ہے۔ کسی کو بھی گرا سکتا ہے۔"

"جو کام انسان کر رہے ہیں، وہ پہاڑوں کو کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔"

یہ کہہ کر ملازم جلدی سے گیٹ کے پار چلا گیا۔ نگار کو اس سے پوچھنے کا موقع ہی نہ ملا کہ زیان کو کہیں دیکھا ہے اس نے۔ وہ خود ہی باغ اور درختوں کے درمیان گھومتی رہی۔ کئی بار اس نے مبہوت ہو کر ان بلندیوں کو دیکھا جن پر پہاڑ قائم تھے۔

"انسان کو بلند ہونے کے لیے اونچائی کی ضرورت نہیں ہوتی نگار! وہ اپنے کردار سے بلند ہوتا ہے۔ جس انسان کو کردار کی بلندی نصیب نہ ہوا سے بدکرداری کی پستی ہی ملتی ہے۔" اسے پروفیسر کی بات یاد آئی۔

وسیع ریسٹ ہاؤس میں گھومتے' وہ دور باغ میں بنے گارڈن ہاؤس کی سمت دیکھنے لگی۔ گارڈن ہاؤس کچھ زیادہ ہی روشن تھا۔ اس کی گولائی میں تنی ہوئی اطرافی شیشے کی دیواریں ارتعاش کا شکار نظر آرہی تھیں۔ ان کی پشت پر موجود پہاڑ ان کے اوپر گرتا ہوا سا لگتا تھا۔ وہ ایک خوب صورت گارڈن ہاؤس تھا۔ جس کے شفاف شیشے اندر جگمگاتے ایک بڑے فانوس کے وجود کی نشاندہی کررہے تھے۔ پھر بھی ایسے لگتا تھا اندھیرے غاروں سے چمگادڑیں پھڑپھڑاتی ہوئی ان شیشوں کی طرف بڑھ رہی ہیں۔

جس وقت وہ اس گارڈن ہاؤس کی طرف بڑھی۔ پہاڑوں کی بلندی اسے گھٹتی ہوئی لگی۔ پھر وہی پہاڑ اسے گارڈن ہاؤس پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے اور ٹھیک اس وقت ایک پتھر لڑھکتا دور بلندی سے نیچے آگرا۔ نگار ڈر کر بدک سی گئی اور پلٹ کر پتھر کو دیکھنے لگی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ پتھر ایسے بھی آگرتے ہیں۔ اس نے ایک خائف نظر پتھر پر ڈالی۔

پتھر پر جالا سا لپٹا تھا۔۔۔ مکڑی کا جالا۔۔۔

نگار کے مہندی لگے ہاتھوں نے جیسے ہی گارڈن ہاؤس کا لکڑی کے فریم کا شیشے کا دروازہ دھکیلا۔۔۔ صحرا کی کوک نخلستان کی طرف بڑھنے لگی۔

اندر زیان عالم بیٹھا تھا۔

"تمہیں ہی ڈھونڈ رہی تھی میں زیان!" اس نے کہا ہی تھا کہ اس کی نظر ٹھٹک گئی۔ وہ وہاں اکیلا نہیں تھا۔ مشروبات کی موجودگی بھی ایسی دل شکن نہیں تھی۔۔۔ لیکن سدیم اور ریشب کی موجودگی۔۔۔؟؟ وہ حیران ہوئی اور واپسی کے لیے پلٹی۔

"کہاں جارہی ہو نگار؟" زیان نے اسے پکارا۔ وہ رک گئی۔

"ادھر آؤ۔۔۔ بیٹھو۔" زیان نے اپنے قریب صوفے کی طرف اشارہ کیا اور ہاتھ اٹھا کر اسے اپنی طرف آنے کو کہا۔ وہ خاموشی سے چلتی ہوئی اس کے قریب ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"پیو گی۔۔۔؟" وہ جام اس کی طرف کیے پوچھنے لگا۔

نگار نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"گھبرا کیوں رہی ہو۔۔۔ تم تو ویسے بھی بہت بے باک ہو۔" زیان نے پہلے گردن موڑ کر اسے غور سے دیکھا پھر چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا انداز اسے یونیورسٹی والے زیان کی یاد دلانے لگا۔

اچانک ہی نگار نے جان لیا کہ وہ صداکار کون ہے۔۔۔ وہ تو وہ خود ہی تھی۔

"تمہیں پتا ہے نگار۔۔۔ مجھے تم سے کب محبت ہوئی تھی؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔ جیسے صرف ایک سانس تھا جو اسے مستعار دیا گیا تھا' باقی سب ہی سانس اس کے حلق سے کھینچ لیے گئے۔

"نہیں۔۔۔ سائنس بلاک کے باہر نہیں۔۔۔ جس دن ہال میں تم نے میرا مذاق اڑایا تھا اس دن۔۔۔" وہ انگلی سے اس کے بالوں کی ایک لٹ پکڑ کر اسی انگلی کو اس کی آنکھوں کے سامنے لہرا کر بتارہا تھا۔

"اب یہ باتیں کیوں کررہے ہو زیان؟" اس نے پوچھا' لیکن زیان اپنی ہی ترنگ میں بولتا گیا۔

"وہ ساری تقریر اور تمہارا طنز۔۔۔ نہیں طنز نہیں۔۔۔ گالی۔۔۔ اس چیز کا ریکارڈ میرے پاس موجود ہے۔۔۔ میں نے اب تک نجانے کتنی ہی بار سنا ہے۔۔۔ تم سنو گی۔۔۔ پھر سے۔۔۔"

اس کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی وہ اٹھا اور اس نے کیسٹ پلیئر آن کردیا۔

"ہم چاہتے ہیں کہ بک فنڈ کا اجرا یونین کے ہاتھوں میں ہو تاکہ اس کے منافع کو طلبہ کی بہبود پر لگایا جاسکے۔۔۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ اینٹ پلستر سے کلاسز کے درمیان میں دیواریں کھڑی کی جائیں تاکہ لڑکے لڑکیاں الگ الگ بیٹھ سکیں۔" زیان کی آواز تھمی اور ہال کے قہقہوں کی آواز ہر سو چھا گئی۔

"زیان! میں اس بات کی معذرت کرنے تمہارے پاس آئی رہی تھی۔" زمین سے نظریں ہٹا کر اس نے زیان سے کہا۔ سدیم اور یشب آپس میں نظروں کا تبادلہ کرتے ہوئے ذو معنی انداز میں مسکرائے۔

"معذرت۔" وہ چلایا۔۔۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ گالی کی معذرت بھی گالی ہی ہوتی ہے۔ کس کس بات کی معذرت کرو گی تم نگار۔۔۔ میرا مذاق اڑانے کی۔۔۔ مجھے گالی دینے کی یا میرا چہرہ جلانے کی۔"

"اور ان دین کے ٹھیکے داروں کا موقف ہے کہ بینچ پر کوئی لڑکا لڑکی اکٹھے نہ بیٹھ سکیں۔۔۔ کوئی بیٹھا مل جائے تو اس سے چارج کیا جائے۔۔۔ زدو کوب کیا جائے۔ سزا دی جائے۔ سب کے سامنے ذلیل کیا جائے۔"

"بند کرو اسے زیان۔" وہ اٹھ کر آگے بڑھی اور زیان نے اپنے مضبوط ہاتھ کے پنجے سے اسے گردن سے دبوچ لیا۔

"شش۔۔۔!" زیان بولا۔ اور وہ اس کے اس "شش" کہنے کی دہشت سے ڈر گئی۔

"خاموشی سے سنو۔"

"دین کا نام لے کر ور غلانے والوں کو مات دینی ہے اور اس یونیورسٹی کے خراب ماحول کو درست کرنا ہے۔" تالیاں گونجیں اور پھر ایک نسوانی قہقہے نے اسپیکر سے نکل کر کمرے کی فضا کو جامد کر دیا۔ وہ نسوانی قہقہہ نگار کا تھا۔ نگار بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔

"زیان۔۔۔! یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ اس کی گرفت میں مچلی۔

"غور سے سنو۔۔۔ اس دن تمہیں جواب نہیں دے سکا تھا، لیکن اس بات کا جواب آج دوں گا۔"

"تمہیں معلوم ہے سب درست کرنے کا کیا مطلب ہے؟"

"ہاں۔۔۔ مجھے سب معلوم ہے۔"

"اگر سب معلوم ہے تو اس درستی کی ابتدا تم اپنے گھر سے کیوں نہیں کرتے۔۔۔ اپنی ماں سے۔۔۔ بولو۔"

"تمہیں جواب چاہیے نا۔" وہ شیطانی مسکراہٹ سجائے پوچھنے لگا۔ نگار کی ایک سانس کی مدت تمام ہوئی۔ وہ یک ٹک زیان کو دیکھنے لگی۔

"تمہیں جواب چاہیے نگار؟" وہ اتنی قوت سے چلایا، جتنی قوت سے وہ اس کا حلق دبوچے کھڑا تھا۔ آنکھوں سے اس نے کیسٹ پلیئر کی طرف اشارہ کیا۔ پلیئر سے آواز نکلی تھی۔

"میں زیان عالم۔۔۔ اپنے مکمل ہوش و حواس میں نگار کو طلاق دیتا ہوں۔۔۔ طلاق دیتا ہوں۔۔۔ طلاق دیتا ہوں۔"

اجلی صبح کا چراغ غلاظت کی سیاہی کی تاب نہ لا سکا اور بجھ گیا۔

زیان کی آواز صور اسرافیل کی ہمراہی میں بلند ہوئی اور کمرے کے درو دیوار سمیت پہاڑوں، درختوں اور چرند پرند کو بھی دہلا گئی۔ نگار پھٹی پھٹی آنکھوں سے زیان کو دیکھنے لگی۔ اس کے عین پیروں کے نیچے کی زمین کی ساتوں تہوں میں شدید زلزلہ آیا تھا۔ اور اس زلزلے میں کیسی کیسی تباہ کاریاں مقید تھیں، وہ جانتی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)